UNIVERSAL
LIBRARY
OU_226089
UNIVERSAL
LIBRARY

رسالہ

عزیمت و دعوت

از خامہ

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد

پبلشر

پبلک لائبریری

نمبر ۱۱ بالی گنج سرکلر روڈ کلکتہ

مطبوعہ ستارۂ ہند پریس ۵۲ بنیاپوکھر لین کلکتہ

رسالۂ

عزیمت و دعوت

اثر خامہ

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد

پبلشر

پبلک لائبریری

نمبر ۴۲ رپن اسٹریٹ۔ کلکتہ

مطبوعہ ستارۂ ہند پریس بنیاپوکھر لین کلکتہ

دیباچہ

یہ رسالہ دراصل حضرت مولانا کی مشہور کتاب "تذکرہ" کی بعض درمیانی فصلوں سے مرتب کیا گیا ہے جن میں ضمناً دعوت و تجدید امت کی بحث آگئی تھی اور اس سلسلہ میں بعض ایسے معارف کا انکشاف ہوا تھا جو شاید ہی اس سے پہلے کسی قلم و زبان سے آشنا ہوئے ہوں۔ یہی دیکھکر میں نے مناسب سمجھا کہ یہ بحث علیحدہ رسالہ کی صورت میں شائع ہو جائے تاکہ وہ اپنی پوری اہمیت کے ساتھ پبلک میں آجائے۔

رسالہ میں جتنی آیتیں، حدیثیں اور عربی عبارتیں آئیں ہیں، اُن کا ترجمہ فٹ نوٹ میں دیدیا ہے تاکہ مطالعہ میں آسانی ہو۔ اصل بحث کے متعلق جتنے حاشیے ہیں خود حضرت مولانا کے ہیں۔

عبدالرزاق۔ ملیح آبادی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شیخ جمال الدین اور شیخ داؤد رحمہما اللہ کے تذکرہ میں اُن کی ہمت و شجاعت، حق پرستی و حق گوئی، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، اور حکومت وقت کے مقابلہ میں اون کی صلابت و بے پروائی بیان کرتے ہوئے ذیل کی حدیث درج کی ہے۔ پھر فصل کے ماتحت "دعوت و عزیمت" کی بحث شروع ہوتی ہے۔ (ع۔ ق)

"افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر" (رواہ الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ)

فصل

فی الحقیقت یہی وہ مقام منتہا، درجۂ عزیمت و سبقت بالخیرات باذن اللہ ہے جس کو قرآن حکیم نے "عزم امور" سے تعبیر کیا ہے: وان ذالک لمن عزم الامور۔ اور یہی وہ طبقات ثلاثۂ اعمال انسانیہ کا آخری اور اعلیٰ طبقہ ہے جو صرف وصول الی الحق ہی پر قانع نہیں ہوجاتا بلکہ جادۂ حق میں سب سے آگے نکل جانا اور بڑھ جانا چاہتا ہے اور جس کا مرتبہ اصحاب "اقتصاد" سے بھی مافوق و ارفع ہے فمنہم ظالم لنفسہ، ومنہم مقتصد، ومنہم سابق بالخیرات باذن اللہ[1] اور یہی مقام ہے جو ایک دوسری تقسیم میں مرتبۂ "صالحین" سے مرتفع ہو کر مرتبۂ "شہدا" یعنی شاہدین حق تک پہونچتا اور پھر "صدیقیۃ" تک پہونچکر انسانیت کبریٰ کے آخری نقطۂ علو و ارتفاع، و مرکز دائرہ نوع، و مبدء کمال و ارتقاء بشری یعنی مقام نبوت سے ملحق ہوجاتا ہے کہ

(۱) اُن میں اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہیں، اور اُن میں معتدل ہیں، اور اُنمیں اذن الٰہی سے نیکیوں کے ساتھ سبقت لیجانیوالے ہیں۔

کائنات ارضی اور نوع انسانی میں جماعت "مَنْ انعم اللہ عَلَیہم" ان چار قسموں سے باہر نہیں
من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا اور پھر
یہی وہ مرتبہ اعلیٰ اور درجہ کبریٰ منجملہ اقسام ثلاثہ "السابقون السابقون" کا ہے جو
"اصحاب المیمنۃ" سے بھی بلند تر ہے اور سبقت و اقدام اور اولیت و ارفعیت صرف اُسی کے
حصے میں آئی ہے۔ اولئک المقربون فی جنات نعیم ثلۃ من الاولین وقلیل من الآخرین (۱)
اور بلحاظ اصل و اساس تقسیم یہی وہ فرق ہے جس نے ایک دوسرے میدان میں اصحاب عمل
کو دو جماعتوں میں منقسم کردیا، اور دوسری نے پہلی سے ارفع و اعلیٰ مرتبہ پایا کہ لایستوی
القاعدون من المومنین غیر اولی الضرر والمجاہدون فی سبیل اللہ باموالہم
وانفسہم (۲) اور اگرچہ دونوں جماعتیں مومنین صادقین کی ہیں۔ کلا وعد اللہ الحسنیٰ (۳) لیکن
فضل اللہ المجاہدین علی القاعدین اجرا عظیما (۴) کے مفاضلۂ مدارج و تفاوتِ معارج
کا قانون بھی قطعی و ناگزیر ہے اور سب سے آخر یہ کہ اسی عزیمت و اولیت اقدام کے
بنیادی فرق نے "منفقون قبل الفتح" کو "الذین انفقوا من بعد" پر فضیلت بخشی کہ ساری بڑائی
سب سے پہلے قدم اٹھانے والے کے لئے ہے نہ کہ دوڑتے ہوؤں کو دیکھکر دوڑنے والوں
کے لئے، اگرچہ چلنے والے قدم بہرحال بیٹھے ہوؤں پر فضیلت رکھتے ہیں۔ لایستوی منکم

---

(۱) وہی لوگ عیش کی جنتوں میں مقرب ہیں، ایک جماعت اولین میں سے اور کچھ لوگ آخرین میں سے
(۲) بے روگ بیٹھنے والے مومن اور راہ خدا میں اپنی جان و مال سے مجاہد برابر نہیں ہیں۔
(۳) ہر ایک سے خدا نے ثواب کا وعدہ کیا ہے۔
(۴) جہاد کرنے والوں کو بیٹھے ہوؤں پر اجر عظیم میں فضیلت دی ہے۔

من انفق من قبل الفتح وقاتل، اولئك اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا ۔ وکلا وعد اللہ الحسنیٰ (۱) اصل و بنیادِ فرقِ مراتب و تقسیم مدارج کی ایک ہی ہے۔ مگر اس نے علم و عمل کے مختلف میدانوں میں مختلف حیثیتوں سے مختلف ناموں اور صورتوں میں ظہور کیا ہے۔ اور یہ جو کچھ کہا گیا باب اشارات سے ہے و از قبیل اخذِ مطالب کثیرہ بکلمات یسیرہ و قلیلہ، ورنہ تقسیم طبقات و مراتبِ امت و اصحابِ اعمال و دراست کا موضوع منجملہ معارفِ مہمہ و غامضۂ کتاب و سنت کے ہے، اور :

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

اسی فرقِ مراتب اور تفضیل اصحابِ عزائم دعوت و مقومینِ حق علی اصحاب الرخص و ضعفاء الطریق کی طرف حدیث ابو سعید خدری (رض) عند مسلم میں اشارہ فرمایا، اور اسکو بھی آیات کریمۂ متذکرہ صدر کے ساتھ بہ یک نظر دیکھنا چاہیے کہ "من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ، وان لم یستطع فبلسانہ، وان لم یستطع فبقلبہ، و ذالک اضعف الایمان" تم میں سے جب کبھی کوئی شخص برائی کو دیکھے تو چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے کام لے کر اس کو دور کر دے اگر اس کی طاقت نہ پائے تو زبان سے، اگر اس کی بھی طاقت نہ پائے تو دل سے، اور یہ آخری درجہ ایمان کی بڑی ہی کمزوری کا درجہ ہے۔ پس اس حدیث میں بھی تین درجے فرمائے، اور جس طرح آخری درجہ اضعف الایمان کا ہوا، اسی طرح پہلا درجہ اقوی و امثل کمالِ مرتبۂ عزیمت

---

(۱) تم میں برابر نہیں ہیں وہ لوگ جنہوں نے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کیا اور لڑائی کی، وہ اُن سے کہیں اونچے درجہ کے ہیں جنہوں نے (فتح مکہ) کے بعد خرچ کیا اور لڑائی کی، دونوں سے اللہ نے اچھائی کا وعدہ کیا ہے۔

دعوت کا ہوا۔ اس سے بھی واضح تر حدیثؓ ابن مسعود (رض) ہے کہ " ما من نبی بعثہ اللہ فی امتہ قبلی، الا کان لہ فی امتہ حواریون واصحاب، یاخذون بسنتہ، ویقتدون بامرہ، ثم انہا تخلف من بعدہم خلوف، یقولون ما لا یفعلون، و یفعلون ما لا یؤمرون، فمن جاھدھم بیدہ فھو مؤمن، ومن جاھدھم بلسانہ فھو مؤمن، ومن جاھدھم بقلبہ فھو مؤمن، ولیس وراء ذالک من الایمان حبۃ خردل"! (مسلم) یعنی سنت الٰہی یہ ہے کہ ہر نبی اپنے ساتھیوں اور تربیت یافتہ یاروں کی ایک جماعت امت میں چھوڑ جاتا ہے۔ یہ جماعت حواری یا اصحاب کے لقب سے ملقب ہوتی ہے اور درسگاہ نبوت کی سب سے پہلی تعلیم یافتہ جماعت ہوتی ہے۔(۱) یہ لوگ نبی کی سنت کو قائم رکھتے اور ٹھیک ٹھیک اوس کی پیروی کرتے ہیں۔ یعنی شریعت الٰہی کو جس حال اور جس شکل میں نبی چھوڑ گیا ہے، اُس کو بعینہ محفوظ رکھتے اور اوس میں ذرا بھی فرق آنے نہیں دیتے ہیں۔ لیکن ان کے بعد بدع وفتن کا دور آتا ہے اور ایسے لوگ پیدا ہونے لگتے ہیں جو اُسوۂ نبوت سے منحرف ہو جاتے ہیں۔ اُن کا فعل اُن کے دعوے کے خلاف ہوتا ہے، اور اُن کے کام ایسے ہوتے ہیں جن کے لئے شریعت نے حکم نہیں دیا، سو ایسے لوگوں کے خلاف جس کسی نے قیام حق وسنت کی راہ میں اپنے ہاتھ سے کام لیا وہ مومن ہے، جو ایسا نہ کر سکا اور زبان سے کام لیا، وہ بھی مومن ہے۔ جس سے جہاد لسانی بھی نہ ہو سکا، صرف دل کے اعتقاد اور نیت کے ثبات کو اُن کے خلاف کام میں لایا،

(۱) یہاں ایک طویل فٹ نوٹ تھا جسے تذکرہ میں دیکھنا چاہئے۔

وہ بھی مؤمن ہے، لیکن اس آخری درجہ کے بعد ایمان کا کوئی درجہ نہیں۔ حتیٰ کہ رائی برابر بھی ایمان نہیں ہو سکتا۔ تو اس حدیث میں بھی وہی تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ اصحابِ عزیمت کا، دوسرا اصحابِ رخص کا، تیسرا ضعفاءِ طریق کا، "وذالک اضعف الایمان" اور اس آخری درجہ پر ایمان کی سرحد ختم ہو جاتی ہے کہ: "ولیس وراء ذالک من الایمان حبۃ خردل" یہاں ذکر اگرچہ صرف مبتدعین و محرفین شریعت کے خلاف جہاد ید و لسان کا ہے، لیکن اصل تقسیم اس میں محدود نہیں، مقصود نفس عزیمت و اسبقیت بالخیرات ہے۔ اور یہ کہ ہر میدان علم و عمل میں ایک درجہ عزیمت کا، ایک رخصت کا، اور ایک ضعف و انحطاط کا ہوتا ہے۔ البتہ اس تقسیم کا سب سے بڑا میدان عمل مقام دعوت و تبلیغ حق ہے کہ اسی وادی فصل اور عقبۂ آزمائش میں اصحابِ طریق کے ادبار و اقدام کا فیصلہ ہوتا، اور مدارج ایمانی و مراتب علمیہ و عملیہ کے جوہر کھلتے اور امتیاز پاتے ہیں۔ یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات۔(۱)

در مدرسہ کس را نہ رسد دعویٰ توحید

منزل گہِ مردان موحد سرِ دار است!

پس پہلا درجہ ہر حال میں "السابقون السابقون" و "منفقون الاولون" و "استبقوا بالخیرات" و "مجاھدون بالعمل والجوارح" کا ہے جو جماعت "مقتصد" پر بھی شرف و مزیت رکھتے ہیں، اور ضعفاء طریق تو اُن کے جولانِ کمال کی گرد و غبار بھی نہیں پا سکتے، اور

(۱) تم میں جو ایمان لائے ہیں، اور علم کی دولت پا چکے ہیں، خدا اُن کے درجے بلند کرے گا۔

پھر جس طرح ہر قسم و جماعت میں حسب حال و استعداد فرق مراتب و معارج ہوتا ہے،
اُسی طرح سابقون بالخیرات کے بھی مختلف مراتب و مقامات ہیں اور کتاب و سنت نے
اُن کے حالات و علائم بتلائے ہیں۔ از انجملہ سب سے اعلیٰ و امثل طبقہ اُن اخص الخواص
نفوسِ مزکیٰ کا ہے جن کو قائدِ توفیقِ الٰہی وسائق فیضانِ ربانی عزائم امور کے لیے چن لیتا ہے۔
کہ وان ذالک لمن عزم الامور اور جن کا نور علم و عمل مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ، اور
جن کا قدم طریق منہاج نبوت پر واقع ہوتا ہے۔ انہی افراد خاصہ کو حدیث بخاری میں محدَّث
(بالفتح) کے لفظ سے تعبیر فرمایا، اور یہی مورد و مصداق حدیث مجدّد کے ہیں جو مختلف طرق سے
مروی اور اس لئے بلحاظ صحتِ متن اُس کی صحت میں کلام نہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کا وجود
فی الحقیقت نظام حق و ہدایت کا مقوّم و منظّم ہے، اور انبیاء کرام کی اصلی وراثت انہی میں
منتقل ہوتی ہے۔ البتہ یہ مقام ازبس ارفع و اعلیٰ ہے، اور ہر عہد و دور میں صرف چند نفوس لیے غایۃ
ہی ایسے ہوتے ہیں جن کا قدمِ ہمت امتحان گاہِ مصائب و مہالک سے آگے بڑھکر وہاں تک
پہونچتا ہے اور اپنے عہد کے سب سے بڑے عمل حق کو انجام دیتا ہے۔ اس کے لئے نہ تو مجردِ علم
و تدریسِ کتب کام آتی ہے نہ رسوم و ہئیات زہد و انقطاع، نہ مدارس و معاہدِ دینی کے
غلغلہ و ہنگامِ فضیلت کو اس میں دخل ہے اور نہ صومعہ و خانقاہ کے گوشۂ انزوا کو۔ اُنکے
عہد میں علماء و اصحاب مشیخت کی کمی نہیں ہوتی، اور کچھ یہ بات بھی نہیں کہ مدرسے اجڑ جاتے
ہوں خانقاہیں منہدم ہو جاتی ہوں، بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کثرت و شہرت کے
لحاظ سے اُن کا زمانہ علماء و مشائخِ اُمت کا سب سے بڑا مجمع و ماویٰ ہوتا ہے اور آبادیوں کی

آبادیاں اصحابِ علم و پیشوائی سے بھری نظر آتی ہیں تاہم مقام عزیمت دعوت و قیام ہدایت کی اُن میں سے کسی کو بھی توفیق نہیں باقی۔ کوئی دامن رخصت میں پناہ لیتا ہے کوئی گوشۂ انزوا و انقطاع میں صرف اپنی عافیت و حفاظت ڈھونڈھتا ہے کوئی راہ میں فتنہ و فساد کا شور سن کر صرف اسی کو کافی سمجھ لیتا ہے کہ اپنا دروازہ بند کرلے کسی پر اضعف الایمان کا درجۂ تنزل و تسفل اس طرح طاری ہوجاتا ہے کہ زبان کو یکسر گنگ اور دست قلم کو یکقلم شل پاتا ہے، اور کسی کو نفسِ خادع اور خاطرِ فاسد ضلالتِ حیل و نفاق میں مبتلا کرکے سرگرم دنیا پرستی و دین فروشی کردیتا ہے۔ غرضکہ سب کے سب یا ناچار مقام رخصت ہوتے ہیں یا واماندۂ ضعف و بیچارگی، اور یا مدہوش غفلت و ہوا پرستی، اُن میں سے ایک حصۂ غالب تو علماء سوء اور دعاتِ فتن و منکرات کے زمرہ میں داخل ہوجاتا ہے علماً و عملاً۔ اور جو جماعت علماء حق کی باقی رہتی ہے، وہ بھی ضعف کدۂ رخصت سے قدم باہر نہیں نکالتی، اور حق کی بڑی سے بڑی بات اور تقویٰ و طہارتِ نفس کی بڑی سے بڑی فضیلت یہ سمجھی جاتی ہے کہ اپنے قدم کو لغزش نہ ہو، اور جبکہ ایک دنیا امواجِ ظلمت و فساد میں ڈوب رہی ہے تو ہم کنارۂ سلامتی پر قدم جمائے باقی رہ جائیں۔ گویا ایمان کا جو سب سے ادنیٰ اور نچلا درجہ عامۂ ناس اور ضعفاء عمل کے لئے تھا، وہی خواص امت اور ہداۃ و مرشدینِ ملت کے لئے بلندی و عروج کا سب سے اونچا مقام ہوجاتا ہے، اور سب سے بڑا متقی انسان وہ سمجھا جاتا ہے جس کے قدم "جہاد بالقلب" کی پائیں بساط سے پیچھے نہ ہٹیں لیکن کوئی نہیں ہوتا جس کا عزم ایمانی توقف و سکون کی جگہ طالبِ اقدام و سبقت ہو، جو اپنے نفس کی نجات کی جگہ

جماعت و امت بلکہ نوع و ارض کی نجات کا عشق رکھتا ہو، جس کا حوصلہ کار اور عزم راہ صرف اتنے ہی پر قانع نہ ہو جائے کہ خود نہیں ڈوبا، کیونکہ یہ تو ضعف و بیچارگی کا سب سے آخری درجہ ہے، فضیلت و کرامت اس میں کیا ہوئی؟ بلکہ ہر وجود کا ڈوبنا اُس کے لئے ماتم اور ہر قدم کی ٹھوکر اُس کے لئے موت ہو۔ جبکہ دنیا اس کو سب سے بڑی بڑائی سمجھ رہی ہو کہ خود کنارے پر پہنچ جائیں، تو وہ بتلا دے کہ خود بچنا نہیں بلکہ ڈوبتے ہوؤں کو بچانے کے لئے سمندر میں کود پڑنا بڑائی ہے، اور جبکہ لوگ اپنے اپنے دروازوں کو بند کر رہے ہوں تا کہ راہ کے فتنہ و فساد سے محفوظ ہو جائیں، تو وہ اپنا دروازہ کھولدے اور دکھلا دے کہ بند کر کے چھپ رہنے میں فضیلت نہیں ہے بلکہ کھولکر باہر نکلنے میں، اور اگر باہر امن نہیں ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ دروازہ کھولنے کا اصلی وقت یہی ہے نہ کہ بند کرنے کا۔ مقام عزیمت و رخصت کا یہی وہ فرق ہے جو ایک صاحب دل نے خانقاہ کے گوشۂ عزلت سے نکلکر شیخ شیراز کو بتلایا تھا:

گفت آن گلیم خویش بدر میبرد ز موج
وین سعی می کند کہ برآرد غریق را

تو اُس وقت ایسا ہوتا ہے کہ سنت الٰہی اپنی عادتِ جاریہ کے مطابق قیام حق و دفع باطل کے لئے سرگرمِ انبعاث و ظہور ہوتی ہے، اور توفیق الٰہی اپنے کسی صالح و امثل بندے کے قلب کا عزمیتِ دعوت کے لئے انشراح کر دیتی ہے اور اُس کے قدم طریق کو منہاج نبوت پر ثابت و مستقیم فرما دیتی ہے۔ وہ اپنے عہد کے تمام اصحاب علم و فضیلت اور ارباب صوم

ومدارس کو تنگنائے رخصت وضعف میں پیچھے چھوڑ کر منزلوں آگے نکل جاتا ہے۔ فضاء علو ورفعت اس کو اپنی طرف کھینچتی اور سماءِ کمال وکرامت اپنی ساری بلندیوں کے ساتھ اسکی استقبال کے لئے دوڑتا ہے، گویا آسمان اس کے لئے اتر آتا ہے۔ اور زمین اس کو خود بخود اچھالنے لگتی ہے، اس کی ہمت رفعت طلب اور اس کا حوصلہ متصاعد ومتعارج کسی بلندی پر بھی نہیں رکتا، اور اونچی سے اونچی بلندی کو بھی حضیضِ تسفل وتنزل سمجھتا ہے مقام عزیمتِ دعوت کی جس بلندی تک بڑے بڑے کارفرمایان عہد کی نظریں بھی نہیں اٹھ سکتی تھیں اور ضعفاءِ زمان وبیچارگان رخصت کے وہم وگمان کو بھی اس تک بار نہ تھا، اسکا شہبازِ ہمت اور سیمرغِ عزم اسکی چوٹیوں پر بھی جا کر دم نہیں لیتا اور سرگرم بال افشانی وہمارہ صفیر زناں بلند پروازی رہتا ہے۔ ولسان حالہ ینشد بھذا البیت؛

بال بکشاؤ صفیر از شجر طوبے زن
حیف باشد چو تو مرغے کہ اسیر قفسے !

فصل

یہ جو تم ہر عہدِ ظہورِ اصلاح ودعوت میں دیکھتے ہو کہ ایک طرف تو ہزاروں علماء ملت اور ارباب زہد وطاعت موجود ہوتے ہیں، درس وتعلیم علوم، ہنگامہ مجالس، مواعظ غلغلہ اذکار واشغال صوامع وزوایا، اور زمزمہ وطنینِ تسبیح وتہلیل مساجد ومعابد میں بظاہر کسی طرح کی کمی نہیں نظر آتی، خانقاہوں میں مجاہدات وریاضات کے حلقے قائم اور

صحنِ مساجد میں تلاوتِ قرآن و وظائف و اوراد کی صدائیں سرگرم ہوتی ہیں، اور

اما الخیام فانھا کخیامھم [1]

کا پورا عالم نظر آتا ہے، لیکن ساتھ ہی دوسری طرف:

وارٰی نساء الحی غیر نسائھا [2]

کا یہ حال ہوتا ہے کہ ظلم و طغیان کا طوفان ہر چہار جانب سے محیط، شر و فساد کا ایک عالم رستخیز برپا، ظلمتِ بطلان و فتن ہر طرف چھائی ہوئی، نورِ حق و صداقت مستور و محجوب، بدع و محدثات کی گرم بازاری، منکرات و سیآت کی مقبولیت و طلب کا دور دورہ، اہلِ حق و صدق مظلوم و مقہور، خدا کی زمین پر اُس کے کلمۂ حق و عدل کا کہنا بمنزلہ جرم اور ظلم و عدوان کے لئے اجر و بخشش، اعمال و طاعات کی حقیقت بالکل مضمحل اور پژمردہ اور روح صلاح و خیر سے تمام اجسام و قوالب خالی! یہ سب کچھ علانیہ سورج کی روشنی میں ہوتا ہے اور مدرسوں میں شور مچانے والے اندھے نہیں ہو جاتے، اور نہ خانقاہوں میں چھپنے والے بہرے ہوتے ہیں۔ سب کے سر کی آنکھیں روشن ہوتی ہیں اور اوپر کے کان کھلے، لیکن بحکم فانھا لا تعمی الابصار و لکن تعمی القلوب التی فی الصدور [3] دل کی بصیرت اس طرح اندھی اور عبرت کے کان اس طرح بہرے ہو جاتے ہیں کہ سب کچھ دیکھتے اور سنتے

---

(۱) خیمے تو انہیں کے خیموں جیسے ہیں۔

(۲) لیکن مجھے قبیلہ کی عورتیں ان کی سی عورتیں نہیں معلوم ہوتیں۔

(۳) وہ آنکھوں کو نہیں بلکہ اُن دلوں کو اندھا کر دیتی ہے جو سینوں میں ہیں۔

ہیں مگر اُن کے لئے دیکھا ہوا آن دیکھا اور سنا ہوا آن سنا ہو جاتا ہے۔ نفس کا عشق اور زینہار
تنعمات دنیوی کی شیفتگی اس طرح اُن کے جسموں میں حلول کر جاتی ہے کہ ہمت کی روح اور
عزم کی قوت کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ راہِ عمل کا ہر تنکا اُن کے لئے پہاڑ ہو جاتا
اور جادۂ ابتلا کا ہر کانٹا تیر و خنجر بنکر اُن کو ڈراتا اور سہماتا ہے۔ وہ آنکھیں جن میں غم نفس
اور ماتم دنیا کے لئے آنسوؤں کے دریا بند ہوتے ہیں، حق کی غمگینی اور امت کے ماتم کے لئے
ایک قطرۂ اشک بھی نہیں رکھتیں، اور جن دلوں میں عشق ذات اور محبت اہل و عیال
کے لئے ایک عالم شورش اور طوفانِ اضطراب مخفی ہوتا ہے، اُس میں اللہ اور اس کے کلمہ حق
کے عشق کے لئے درد کی ایک ٹیس اور غم کی ایک چبھن بھی پیدا نہیں ہوتی عین اُس وقت جبکہ
زاہدانِ شب زندہ دار راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر تسبیح ہزار دانہ کو گردش دیتے ہیں تو لاکھوں بندگان
الٰہی مظلومیت کی گرد و خاک پر لوٹتے اور تڑپتے ہیں، اور کلمہ حق کی بیکسی و بیچارگی سے الغیاث!
الغیاث! اعینونی یا عباد اللہ! اعینونی یا عباد اللہ![1] کے نالہ و بکا کی صدائیں اٹھتی ہیں۔ اور
جبکہ حلقۂ مدارس و مجامع تعلیم میں کتب فقہ کے ابواب قضاء و ولایت کے نکات و دقائق
حل ہوتے اور صحائف حدیث کے ابوابِ اعتصام بالسنت اور امر بالمعروف
و نہی عن المنکر کی شرح و تفسیر میں مدعیانِ فضل و کمال اپنا اپنا جوہر تجر دکھاتے، اور معارک
مباحث و مطالب سر کرتے ہیں، اور مجالس و محافلِ وعظ میں غلغلۂ اعلوا و تذکر وا بیہم بلند
ہوتا اور سامعین کے سروں کو جنبش میں اور دلوں کو شورش میں لاتا ہے، تو عین اُسی وقت

---

(۱) پناہ! پناہ! اے بندگان خدا میری مدد کرو! اے بندگان خدا میری مدد کرو!

ظلم وطغیان کے غلبہ و قہر سے ارضِ الٰہی کا ایک ایک کونا چیختا اور چلاتا ہے، پرستارانِ حق کی غربت ہر طرف سر پیٹتی، اور ماتم کرتی ہے، خدا کی زمین کے گوشے گوشے سے "واشریعتا! وادینا! وامصیبتا! واویلا!"(۱) کی فریادیں اٹھ اٹھ کر آسمان تک جاتی ہیں، اور فضاء کائنات کا ایک ایک ذرہ داعی حق کے لئے روتا اور قائم ہدایت کو کھوجتا۔ اور پکارتا ہے۔

یا ناعی الاسلام قم وانعہ

قد زال عرف بدا منکر!(۲)

لیکن نہ تو عباد و زہاد دفت کو تسبیح ہزار دانہ کی گردش مہلت سماعت دیتی ہے اور نہ ہنگامہ سازانِ مدارس و مجامع کو اساطیرِ جدل و خلاف و دساتیر قیل و قال کا شور و غوغا فرصت بصات۔ اصل حقیقت سے اس درجہ بعد و ہجر طاری ہو جاتا ہے کہ کسی کے وہم و گمان میں بھی احیاء شریعت و تجدید ملت کا خطرہ نہیں گذرتا اور کوئی نہیں سوچتا کہ یہ سارے کارخانے اور ہنگامے تو اس لئے تھے کہ لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا(۳) سو جب وہی سرنگوں ہو گیا تو پھر ان اجساد بے روح و قشور بے مغز کی پرستش کیا سود مند علم و عمل ہو سکتی ہے؟ اور جب روح امت مضمحل ہو گئی اور حق کی جگہ باطل کی اور سنت کی جگہ بدعت کی حکومت چھا گئی تو پھر یہ تمام باتیں کب مثمر و منتج ہو سکتی ہیں؟ بلکہ ان کا شمار تو اب موانع و مہالک راہ میں سے ہو گیا

---

(۱) آہ شریعت! آہ دین! آہ مصیبت! آہ ہلاکت!

(۲) اے اسلام پر ماتم کرنے والے اٹھ اور اس پر ماتم کر، نیکی چلی گئی اور برائی شروع ہوئی۔

(۳) تاکہ خدا ہی کا بول بالا ہو۔

۱۵

من لم یکن للوصال اھلا

فکل طاعاتہ ذنوب![1]

غرضکہ اگرچہ دنیا بظاہر علم و فضیلت سے لبریز ہوتی ہے اور بڑے بڑے اصحاب طنطنۂ و شہرت و ارباب فخفخۂ و عظمت موجود ہوتے ہیں مگر کسی کو اس کی توفیق نہیں ملتی کہ اپنے عہد و دور کی طلبِ دعوت اور سوال قیام ہدایت پر مردانہ وار لبیک کہے، او ظلمت کدۂ ضعف و واماندگی سے نکلکر راہِ عزیمتِ دعوت میں قدم رکھے، اور اگرچہ دروازۂ سعادتِ الٰہی باز اور خزائنِ رحمت و نصرتِ ربانی ہموارہ درصدد بخشش و یغما ہوتے ہیں مگر سینکڑوں ہزاروں علماءِ عہد اور اصحاب خوانق و صوامع میں سے کسی کو بھی اس عہد کے احیاء و تجدید اور طائفۂ منصورۂ "من یجدد لھا دینھا" میں داخل ہونے اور جماعت علیہ یحبّھم و یحبّونہ[2] میں معدود و محشور ہونے کی توفیق نہیں ملتی تاآنکہ پردۂ ظلمت چاک ہوتا اور یکایک صبح ہدایت و سعادت مشرقِ تجدید و انبعاث سے عالم افروز و جہانتاب ہوتی ہے۔ تو اس وقت تم دیکھتے ہو کہ جس راہ میں قدم رکھنے سے ایک عالم درماندہ و ناچار تھا، اچانک ایک مرد ہمت اٹھتا ہے اور نہ صرف قدم رکھتا ہے بلکہ دوڑتا ہوا چلا جاتا ہے۔ راہ کی وہ مشکلیں اور صعوبتیں جو ضعفاءِ عہد کے لئے مصیبتوں کا پہاڑ اور ہیبتوں اور دہشتوں کی گھاٹیاں تھیں، اور جن کے وہم و تصور

---

(۱) جو وصل کا اہل نہیں، اُس کی تمام اطاعتیں گناہ ہیں۔

(۲) وہ اُن سے محبت کرتا ہے اور وہ اُس سے محبت کرتے ہیں۔

سے بیچارگان وقت کی ارواح پر ایسی دہشت و ہیبت طاری ہو جاتی تھی کانہم یساقون الی الموت وھم ینظرون[1]، تو وہ سب اُس کے جولان قدم کے لئے ایک مشت غبار اور ایک تودۂ خس و خاشاک سے زیادہ حکم نہیں رکھتیں۔ سب دیکھتے کے دیکھتے ہی رہجاتے ہیں اور وہ بڑھکر دعوتِ عزیمت و ہدایت عامہ کا باب مسدود کھول دیتا ہے اور اس کی زبان ہمت و مقال فتوت اس ترانۂ رجز سے زمزمہ ساز بزم عالم و عالمیاں ہوتی ہے:

تاب یک جلوہ نیاوردنہ موسیٰ و نہ طور
ایں دلم ہست کہ زیں گونہ ہزاراں دیدہ است

اگرچہ اُس عہد میں ہزاروں مدعیانِ کار موجود ہوں مگر اِس فضیلت خاص میں اُس کا کوئی سہیم و شریک نہیں ہوتا۔ صرف اُسی کو اس عہد کی اقلیم ہدایت کی سلطانی و فرمانروائی پہونچتی ہے، اور صرف وہی اپنے زمانے کا کلید بردار خزائنِ برکات و فیضانِ سماویہ ہوتا ہے۔ تمام اصحاب طریق ناچار ہوتے ہیں کہ اپنے اپنے چراغ اُسی مصباح ہدایت سے روشن کریں، اور تمام رہروانِ جادۂ مقصد مجبور ہوتے ہیں کہ اسی کے کاروان و قافلۂ کرامت کی آواز درا پر اپنے اپنے قدم اٹھائیں۔ وھذہ منزلۃ جلیلۃ ورتبۃ عظیمۃ لا تساویھا مزیۃ ولا تعادلہا منزلۃ وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم[2]

---

(۱) گویا وہ موت کی طرف ہنکائے جارہے ہیں اس حالت میں کہ آسے دیکھتے ہیں۔

(۲) یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے بخشے اللہ بڑے فضل والا ہے۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں؟

فصل

اور یہ جو کہا کہ ہر عہد میں اللہ تعالیٰ کسی ایک بندے یا چند بندوں ہی کو مقامِ عزیمت دعوت کے فتح باب کی توفیق دیتا ہے اور وہ اپنے دور کے خزائنِ فیضان و برکات کا صاحب مفاتیح ہوتا ہے، تو اس سے یہ مقصود نہیں ہے کہ اُس عہد میں بجز ایک زبان کے کلمۂ حق کسی دوسری زبان پر جاری نہیں ہوتا، یا اوس عہد میں اور کوئی دعوت و تبلیغ حق کیلئے ساعی و جاہد نہیں ہوتا، کیونکہ بحکم "لا یزال طائفۃ من امتی ظاھرین علی الحق لا یضرھم من خذلھم حتی یأتی امر اللہ وھم غالبون"(۱) (او کما قال) سخت سے سخت عہد شر و فساد اور ظلمت و ضلالت میں بھی ایک جماعت اہلِ حق و ظاہرین علی الحق کی ضرور باقی رہتی ہے، اور یہ اُس عزیز العلیم کی تقدیر اور فطرتِ کائنات کے داعیہ و مقتضے کے خلاف ہے کہ کوئی زمانہ اور کوئی گوشہ اہل حق سے بالکل خالی ہو جائے کیا نہیں دیکھتے کہ انبیاء کرام کے ظہور کے وقت بھی باوجود ظھر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس(۲)

---

(۱) میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا، انہیں کسی کی بیوفائی اور مخالفت نقصان نہ پہونچا سکے گی۔ وہ برابر غالب رہیں گے۔ یہانتک کے قیامت آجائیگی۔

(۲) لوگوں کے کرتوت سے خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا۔

کے ایک جماعت اہل حق کی ضرور باقی رہتی تھی اگرچہ ان کا ظہور کرۂ ارضی کے کمال بغی و فساد و منتہی مرتبۂ یاس و قنوط کی حالت میں ہوا کرتا تھا ؟ خود قرآن حکیم نے جا بجا اس کا اعتراف کیا ہے۔ فلولا من القرون من قبلکم اولو ابقیۃ ینہون عن الفساد فی الارض، الا قلیلاً ممن انجینا منھم اور سورۂ مائدہ میں ہے کہ باوجود علماء یہود کی سخت و ہمہ گیر ضلالت و مغضوبیت کے ایک قلیل جماعت ان میں بھی داعیان حق و آمرین بالمعروف کی برابر موجود رہی۔ لولا ینھٰھم الربانیون والاحبار عن قولھم الاثم و اکلھم السحت(۱) اور آل عمران میں ہے۔ لیسوا سواء من اھل الکتاب امۃ قائمۃ یتلون اٰیات اللہ اناء اللیل و ھم یسجدون۔ یومنون باللہ والیوم الاخر و یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر و یسارعون فی الخیرات و اولٰئک من الصّالحین(۲) اور اسی طرح غالباً سورۂ مائدہ میں ایک جگہ خاص طور پر علماء یہود کے شر و فساد کا ذکر کر کے فرمایا۔ منھم امۃ مقتصدۃ و کثیر منھم ساء ما یعملون(۳)۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ اقوام و ملل کے سخت سے سخت دورِ ظلمت

(۱) اگر انہیں ربانی اور احبار بری بات کہنے اور حرام کھانے سے نہ روکتے۔

(۲) برابر نہیں اہل کتاب میں وہ جماعت جو راتوں کو آیات الٰہی تلاوت کرتی اور سر بسجود رہتی ہے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتی ہے، نیکیوں میں پیش قدمی کرتی ہے، یہی لوگ صالحین میں سے ہیں۔

(۳) ان میں ایک جماعت صحاب اقتصاد کی ہے اور بہتیرے ان میں ایسے ہیں جن کے عمل نہایت برے ہیں

وفساد میں بھی ایک جماعت داعیانِ حق کی ضرور باقی رہتی ہے۔ اور گو علماء اہلِ کتاب کی گمراہی کمال مرتبہ بغی و عدوان تک پہونچ چکی تھی، تاہم ان میں بھی ایک جماعتِ قلیلہ ایسی موجود تھی جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں کوشاں، تلاوت کتاب اللہ میں سرگرم اور خیرات و طاعات میں تیز گام تھی اور قرآن حکیم ان کو صالحین میں سے شمار کرتا ہے۔ اور اسی طرح بخاری کی روایت میں ہے: "فمقتھم عربھم وعجمھم الا بقایا من اہل الکتاب"(۱) یعنی اسلام کے ظہور کے وقت تمام عرب و عجم اپنے کفر و ضلالت کی وجہ سے مستحق غضب و عقوبت الٰہی ہو رہا تھا مگر ایک چھوٹی سی جماعت جو اہلِ کتاب کے اہلِ حق کا بقایا تھی اور مختلف گوشوں میں مٹی مٹائی اور بچی بچائی باقی رہ گئی تھی(۲) اس سے واضح ہوا کہ خاتم الادیان کے ظہور کے وقت بھی کہ کرۂ ارضی کی ضلالت عامہ کا سب سے بڑا تاریک عہد تھا، یہ بات نہ تھی کہ داعیانِ حق بکلی معدوم ہو گئے ہوں۔ ایسا ہونا سنتِ الٰہی کے خلاف ہے اور اس کی مزید تشریح کا یہ موقع نہیں۔

پس جب انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کے ظہور کے زمانوں میں بھی داعیانِ حق و آمرین بالمعروف و سارعون فی الخیرات سے قوم و ملک بالکل خالی نہیں ہو جاتا، اور کچھ بقایا اربابِ حق کا موجود رہتا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ ان کے اتباع و ذریات اور ورثاء و نقباء کے لئے، کہ اصحاب عزیمت دعوت و مجددین امت انہی سے عبارت ہیں، ایسا ہونا

---

(۱) تمام عرب عجم سے نفرت کی، الا اہل کتاب کے کچھ بچے کھچے لوگوں کے۔

(۲) یہاں ایک طویل حاشیہ تھا "تذکرہ" میں دیکھو۔

کیوں ضروری ہو؟

یہ اصل الاصول کسی حال میں بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ دعوت وقیامِ حق اور اصلاح وتربیتِ اُمم کا اصل سرچشمہ و مرکز مقام نبوت ہے، اور ہر عہد و دور میں اُسکا جس قدر بھی ظہور ہوتا ہے، وہ سب اسی مقام سے ملحق و متصل، اور سب کی روشنی اسی شمسِ نظام و قوامِ عالم سے مکتسب و مستنیر، اور تمام انہارِ فیضان وسعادت کے لئے یہی سلسبیلِ نبوت، مخرج و منبع کا حکم رکھتی ہے۔ عیناً یشرب بہا عباد اللہ یفجرونہا تفجیراً۔ اور کوئی قائم حق و داعی اصلاح و کاشف حقائق فوز و نصرت نہیں پاسکتا جب تک اُس کا قدم منہاج نبوت پر واقع نہ ہوا ہو اور اس کے تمام اعمال متأسی باسوۂ حسنۂ نبوت و متبع بہ سنت و حکمت رسالت نہ ہوں، اور اس راہ تأسی و تشبہ بالانبیاء میں جس داعی حق کا قدم جس حد تک پہنچتا ہے، اُسی حد و مقام کے مطابق کم و بیش ثمرات و برکاتِ ظاہر و باطن حاصل ہوتے ہیں۔ اور جس طرح وہاں اختلاف مدارج و مراتب بلحاظ حالات و مقتضیاتِ وقت، اور فضلنا بعضہم علی بعض[1] کا معاملہ واقع ہوا، اُسی طرح متبعین و ورثاء انبیاء میں بھی فضلنا بعضہم علی بعض اور اختلاف مراتب وثمرات و مفاضلۂ حالات و برکات ظہور میں آیا۔ یہی حقیقت شیخ اکبر کی اصطلاح میں "فصوص" اور بعض اصحاب اشارات کی اصطلاح میں "نسبت" کے لقب سے ظاہر کی گئی ہے کہ کسی واصل باللہ کا قدم تأسی و اتباع حسب استعداد و داعیات وقت کسی ایک

---

(۱) ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

نبی کی منہاج پر واقع ہوتا ہے اور کسی کا کسی دوسرے نبی کی منہاج پر، اور اُس کو بوجہ غلبہ مابہ الاختصاص اُس نبی سے ایک خاص طرح کی نسبت حاصل ہو جاتی ہے۔

وللناس فی مایعشقون مذاھب![1]

اور پھر یہ بھی ہے کہ کسی کا قدم جامعیت فص محمدی کا تعاقب کرتا اور مقام جامعیت کبری اور

"آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کے اکتساب فیضان سے ایک کیفیت بوقلمون اور جلوۂ حسن صد رنگ و گوناگوں پیدا کرتا ہے۔ ساری نزاع بمصطلحات والفاظ کی ہے حقیقت بحکم:

عبارتنا شتی وحسنک واحد![2]

ایک ہے اور کوئی نہیں کہ پردہ برانداز ظواہر والفاظ و رسوم ہو اور نزاع صورت پرستان معنی ناآشنا ختم کردے۔

برافگن پردہ تا معلوم گردد
کہ یاراں دیگرے را می پرستند!

جب دعوت و اصلاح امت کا سرچشمہ و اصل مقام نبوت ٹھیرا، اور تمام عوازم امور دعوت اُسی سے ماخوذ اور اُسی کے اُسوہ سے متاسی، تو ضرور ہے کہ عالم تجدید و احیاء شریعت کے بھی تمام کاروبار اُسی اسلوب و نہج پر واقع ہوں، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اصول و اساسات سے لیکر

---

(۱) عشق میں لوگوں کے اپنے اپنے طریقے ہیں۔

(۲) ہماری بولیاں مختلف ہیں۔ مگر تیرا حسن ایک ہی ہے۔

جزئیات و فرعیات تک ٹھیک اُسی مقام کے حالات و منازل سے متشبہ و متخلق بل کالظل و العکس ظہور میں آئیں۔ اور منجملہ سنن و نوامیس اتبعات نبوت کے یہ ہے کہ دعوت انبیاء کے ظہور کے لئے حق و ذکر حق کا بالکل مفقود و معدوم ہو جانا ضروری نہیں، بلکہ اس قدر بس کرتا ہے کہ سخت درجہ اضمحلال اور پژمردگی اُس پر طاری ہو جائے، اور داعیانِ حق کی جماعت قلیل و مغلوب ہو۔ بجز یکہ چند منتشر و نادر افراد کے سوا اُن کی کوئی ہستی اور جماعت باقی نہ رہے، برخلاف اس کے داعیان فساد و ضلالت کا ہر طرف دور دورہ ہو، اور وہ جو ایک چیز ہے، یعنی صرف حق کا وجود ہی نہیں بلکہ حق کا قیام و ظہور و نفوذ اور مجرد امر و دعوت ہی نہیں بلکہ دعوت کا انتظام و قوام اور محض دعوت افراد و جماعات ہی نہیں بلکہ دعوت امت و ملت، تو اُس کا کارہانہ بالکل درہم برہم ہو جائے۔ یہی غربت و اقلیت حق ہے جو بسبب کمال ضعف و بیچارگی و عدم حصول نتائج مطلوبہ کالمعدوم کا حکم رکھتی ہے، اور جب غایت درجہ تک پہونچ جاتی ہے تو ظہر الفساد فی البر والبحر سے تعبیر کی جاتی ہے۔

پس جب انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوتِ اصلیہ و اساسیہ کا یہ حال ہوا، اور ہنگام ظہور ایک جماعت قلیلہ دعاتِ حق کی موجودگی اُن کے مقام دعوت و تبلیغ کی اصلیت و اولیت کے منافی نہ ہوئی، تو ظاہر ہے کہ مجددین امت و نقباء و ورثاء نبوت کے مرتبۂ تجدید کے لئے یہ امر کیوں منافی ہو؟

اس عالم کے معاملات بھی تبعاً و فرعاً ویسے ہی واقع ہوتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ اُس عہد میں حق کی دعوت و تبلیغ کرنے والے بالکل نہ ہوں، یا نفس دعوت میں اُن کا اور کوئی سہیم و

شریک نہ ہو۔ ہوتے ہیں، لیکن یا توان کی جماعت بہت ہی قلیل و درماندہ اور مجال خود مبتلاؤ گم ہوتی ہے، یا دعوتِ حق کے اعمال بغایت محدود و محصور ہو جاتے ہیں، یعنی ارباب دعوت کی پستی ہمت، بلندی و وسعتِ میدانِ عمل سے گھبراتی اور اس کے لئے اپنے کو درماندہ پاتی ہے اور محض ایک محدود دائرۂ دعوت پر قناعت کر لیتی ہے۔ حالانکہ ہر چیز کی طرح اس کے بھی مراتب و مدارج، اور گو ہر مرتبہ اس میں داخل لیکن ہر مرتبہ کا حکم دوسرے سے مختلف۔ اپنے پڑوسی کو برائی کرتے دیکھکر ٹوک دینا بھی نہی عن المنکر ہے، تمام شہر کو برائی سے باز رکھنے کے لئے کھڑے ہو جانا بھی نہی عن المنکر ہے، اور پھر عالم تقیید و تحدید سے آزاد ہو کر اپنے تمام عہد و دور کے شر و فساد کو دور کرنے کے لئے بلا امتیاز قرب و بعد و یمین و یسار غلغلۂ عمل بلند کرنا بھی نہی عن المنکر ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کے راستہ سے پتھر ہٹا دینا بھی ایمان کی شاخ اور عمل حق، مگر تمام امت کی راہ سے سنگ بطلان و فساد دور کر دینا بھی عمل ایمان و اقدام حق ہے، پھر کیا ان تمام مراتب کا ایک ہی حکم ہو سکتا ہے؟ کجا وہ مقام ارفع و اعلیٰ جہاں ایک عالم و امت کی اصلاح کے لئے قدم اٹھائے جائیں؟ اور کجا وہ تنگنائے ضعف جہاں صرف اپنے پڑوسی کی اصلاح ہی پر قناعت کر لی جائے؟ اور اگرچہ وکلاً وعد اللہ الحسنیٰ صلاح دونوں ہیں، اور دونوں کے لئے اجر، لیکن پہلا منصب نبوت کی شاخ اور دوسرا افراد امت میں سے ایک فرد مومن صالح کا مرتبہ اور رہن۔ پھر ایسا ہوتا ہے کہ دعوت کی صدائیں بڑی ہی دھیمی اور پست ہوتی ہیں، ان میں وہ گرج اور کڑک نہیں پائی جاتی جس کے بغیر سرشارانِ غفلت چونک نہیں سکتے اس لئے گو اٹھتی تو ہیں لیکن [illegible]

کو چونکا دینے کا شرف حاصل نہیں کر سکتیں۔ یا ایسا ہوتا ہے کہ نفوذ دعوت و سریان امر کے لئے ضروری ہے کہ دعوتِ حق میں ایک ایسی ہمہ گیر جاذبیت و جالبیت ہو جو ایک عالم کے دل لبھائے اور ایک دنیا کو اپنا فریفتہ و دلدادہ بنائے، حتیٰ کہ سامع و شاہد کی طاقت سے باہر ہو کہ اُس کی کشش سے اپنے آپ کو بچا سکے۔ بغیر اس خاصہ کے دعوت کبریٰ قائم و نافذ نہیں ہو سکتی، لیکن ایسا ہوتا ہے کہ دعوتِ حق کی صدائیں تو اٹھتی ہیں۔ مگر اس جاذبیت معنویہ سے محروم ہوتی ہیں اور اس لئے محبوب القلوب عالم نہیں ہو سکتیں۔ یا پھر ایسا ہوتا ہے کہ بمصداق خلطوا عملاً صالحاً و اخر سیئاً (۱) داعیان حق کا جو گروہ موجود ہوتا ہے اُن کی دعوت ٹھیک ٹھیک نہج قویم و مستقیم پر نہیں ہوتی یعنی منہاج نبوت کے علوم و اعمال کو اُن میں غلبہ و احاطہ حاصل نہیں ہوتا۔ یا کتاب و سنت کی دعوت خالص و بے آمیزش کی حقیقت سے خالی ہوتی ہیں، پس اگرچہ اس لحاظ سے کہ اصلاً طلب حسنات و اصلاح اور قیام شریعت پر مبنی ہیں، وہ دعوت الی الحق و امر بالمعروف کے حکم میں داخل ہو جاتی ہیں، مگر ساتھ ہی اس اعتبار سے کہ طرح طرح کی غلطیوں اور لغزشوں یا آمیزش ظلمت رائے و قیاس غیر صالح یا کوری بدعات و محدثات سے پاک و صاف نہیں ہیں، اپنا حکم و اثر کھو دیتی ہیں اور برکاتِ نصرت و فوز حاصل نہیں کر سکتیں۔ مثلاً اصل کی جگہ کسی ایک ایسی فرع کی حفاظت کو عزیمت دعوت سمجھ لیا جو بوجہ فقدان و ضیاع اصل بالفعل ناقابل اعتنا تھی، یا سلسلۂ سفر صحتِ تعینِ منازل و تقریر بدایت و نہایت کے ساتھ شروع نہیں کیا۔

---

(۱) اُن کے عمل میں نیکی اور بدی دونوں مخلوط ہیں

مثلاً جس منزل سے سفر کا آغاز ہونا چاہئے، اس کو درمیانی سمجھ لیا، کہ ان حقائق کار کا علم بلا مقام تشبہ بالانبیاء و تخلق باخلاق الاصفیاء کے حاصل نہیں ہو سکتا، اور یہی وہ غوامض اعمال نبوت ہیں جن کی طرف بعض صحابہ و تابعین اشارہ کر کے کہہ دیا کرتے تھے کہ "فذلک من عمل نبوۃ" یا اس سے بھی بڑھکر مصیبت یہ کہ گو دعوت الی الحق کے لئے قدم اٹھا مگر سنت کی روشنی کی جگہ بدعت کی اندھیاری چھا گئی، یا اقلاً طریق کار بدعت کی آمیزش سے محفوظ نہ رہا، اور اگر اللہ تعالیٰ نے فہم واسع و سلیم عطا فرمایا ہے تو سمجھ لو گے کہ یہ آخری سبب بڑوں بڑوں کے لئے مزلت اقدام ہوتا آیا ہے اور ایک علت قویہ ضیاع قوائے عمل و کاروبار دعوت و تبلیغ کی صدیوں سے یہی ہوتی آئی ہے۔ یا دعوت و تبلیغ کے بلند مقامات کی طرف ایسے نو آموزان راہ اور خام مغزان کار نے قدم اٹھایا جو گو اپنے ولولوں اور نیتوں کے لحاظ سے مستحق تحسین ہیں لیکن اس مقام کے لئے جس قوت علمی و عملی کی ضرورت ہے اور جس ثبات قلب و رسوخ عزم کی، وہ ابھی اُن سے منزلوں دور ہے، نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یا تو اول قدم ہی میں ٹھوکر لگتی ہے، یا پہلے تیر ہی پر میدان کارزار کو پیٹھ دکھلا دیتے ہیں، حالانکہ یہ وہ راہ ہے کہ یہاں کی ایک ادنیٰ لغزش بسا اوقات ہزاروں انسانوں کی مجموعی معصیت و ذنوب سے بھی بڑھکر مضرت رکھتی ہے، اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مسافر کو تلووں سے کانٹا نکالنے کی بھی مہلت نہیں دی جاتی، کیونکہ ممکن ہے اتنی ہی دیر میں قافلۂ امید قرنوں بلکہ صدیوں کی مسافت آگے نکل جائے اور ایک لمحہ کی غفلت برسوں کے لئے یاس و ماتم کا سامان کر دے۔ ملک قمی اسی حقیقت کو شاید نادانستہ کہہ گیا ہے، فیضی نے اس کے

تمام کلام میں سے یہی ایک شعر منتخب کیا اور سبحان اللہ کہ اپنے حسن انتخاب اور ذوق سلیم کا ایسا مرقع ثبوت دے گیا!

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد!

واذا الہامات شعریۂ عرفی چہ ملیح ست ایں فرد دریں مقا

ہاں رہ عشق ست بگسستن ندارد بازگشت
جرم را ایں جا عقوبت ہست و استغفار نیست!

غرضکہ ایک چیز دعوت ہے، ایک عزیمت دعوت، اور ایک عزیمت دعوت کا درجۂ تجدید و مقام قیام دعوت عامہ۔ اور ایک مقام اصلاح افراد کا ہے، ایک عالمہ و جماعت کا اور ایک امت و نوع کا، سو اگرچہ دعوت موجود ہوتی ہے، مگر عزیمت دعوت مفقود ہو جاتی ہے، اور اگرچہ اصلاح افراد کا سامان ہوتا ہے مگر اصلاح امت کا کوئی سامان نہیں ہوتا۔ اگرچہ اصحاب عزائم ہوتے بھی ہیں تو اسباب و موانع مذکورہ سے درجۂ تجدید و کمال عزیمت دعوت تک اُن کی رسائی نہیں ہوتی۔ کاروبار دعوت کے کالبد و اشکال تو موجود ہوتے ہیں مگر روح تجدید و نصرت مفقود ہو جاتی ہے۔ اسی لئے معاملہ تجدید و احیاء امت اپنے کشود کار کے لئے کسی مرد غیب کا منتظر ہوتا ہے:

عشق اگر مرد ست مردے تاب دیدار آورد
ورنہ چوں موسیٰ بسے آورد و بسیار آورد

یہی وجہ ہے کہ جا بجا "عزیمتِ دعوت" کا لفظ بولا گیا نہ کہ مجرد دعوت کا۔ دونوں میں فرق و امتیاز ملحوظ خاطر رہے۔ پس اپنے عہد کا مجدد و محی وہ شخص یا وہ چند نفوس خاصہ ہوتے ہیں جو مجرد دعوت نہیں بلکہ عزائم امور دعوت کی راہ میں قدم اٹھاتے ہیں، اور قیامِ حق کا صور اس زور سے پھونکتے ہیں کہ یکایک فضائے ملت جنبش میں آجاتی ہے، اور تمام امواتِ غفلت اپنی اپنی قبروں کے اندر چونک اٹھتے، اور اٹھکر دوڑنے لگتے ہیں، گویا یخرجون من الاجداث کانھم جراد منتشر مھطعین الی الداع(۱) اور ذالک یوم الخروج کا عالم طاری ہوجاتا ہے۔ یہی وہ مقام خاص ہے جو ہر عہد میں صرف ایک یا چند افراد عالیہ ہی کے حصے میں آتا ہے، اور گو کاروبار دعوت سے معاملات رکھنے والے بہت سے موجود ہوں، مگر اُس عہد کے فتح باب اور سلطان و امر دعوت کی فضیلت اُن کو نصیب نہیں ہوتی۔ سب ناچار ہوتے ہیں کہ اُس فاتح عہد اور عازم وقت ہی کے حلقۂ اتباع و ذریات میں داخل ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ اُن میں بعض افراد کسی خاص شاخ علم و عمل میں درجۂ بلند رکھتے ہوں، مگر اس معاملہ کیلئے وہ کچھ سودمند نہیں ہوتا اور فاتح دور کے آگے اُن کو اطفال مکاتب کی طرح زانوئے ادب و استفادہ تہ کرنا ہی پڑتا ہے۔ اُس عہد کے خزائن فیضان و برکات کی کنجی اُسی کے قبضہ میں دیدی جاتی ہے۔ پس طالبین فیضان اُس کے حلقۂ ارادت سے الگ رہکر کچھ نہیں پاسکتے۔ اگر کسی نے بطریق استراق سمع کوئی کلمۂ حقیقت حاصل بھی کرلیا تو اول تو وہ مثمر برکات نہیں ہوتا اور اگر ہوتا بھی ہے تو چونکہ عہد کی سلطانی فاتح و عازم دعوت ہی کو پہونچتی ہے اس لئے

---

(۱) منتشر ٹڈی دل کی طرح قبروں سے نکلیں گے گردنیں سیدھی کئے پکارنے والے کی طرف۔

وہ بھی بالواسطہ اسی کے فیضان بخشش میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ وقد احسن من قال۔

گر گفتۂ زعشق گہے حرف آشنا

آنہم حکایتیست کہ از من شنیدہ

قرآن حکیم نے ہدایت کو حیاتِ ارض سے تعبیر کیا ہے اور ضلالت کو زمین کی موت سے اور ہدایت خود زندگی ہے۔ استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم[1] اور ضلالت موت ہے۔ وما انت بمسمع من فی القبور[2] اور اموات غیر احیاء[3] بہار کا جب موسم آتا ہے تو زمین کے ہر گوشہ کو روئیدگی و سرسبزی سے مالا مال کر دیا جاتا ہے مگر سب سے پہلے اُسکی آمد کی برکتیں باغ و چمن ہی میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اور صبح کا طلوع اگرچہ دنیا کے گوشے گوشے کے لئے پیام نور ہوتا ہے مگر سورج کی پہلی کرنیں اونچی دیواروں اور بلند میناروں ہی پر چمکتی ہیں، گو بعد کو نچلے سے نچلے تہ خانے بھی روشن ہو جائیں گے یہی حال عہد ہدایت اور دور فیوض و برکات سماویہ کا بھی ہے۔ اس عالم میں بھی بے خزاں و بہار کے موسم آتے ہیں، اور لیل و نہار کا اختلاف موجود ہے۔ وما یعقلھا الا العالمون[4] واگرچہ بہار سعادت کا موسم سارے جہان اور ساری زمین کے لئے موسم حیات و کامرانی ہے لیکن اُس کی سب سے

---

(۱) خدا اور رسول کو لبیک کہو جب وہ تمہیں زندگی کی طرف بلائیں۔

(۲) قبروں کے اندر رہنے لوگوں کو تو نہیں سنا سکتا۔

(۳) زندہ نہیں، مردے ہیں۔

(۴) صرف اہل علم ہی اُسے سمجھ سکتے ہیں۔

پہلی برکت اصحاب عزائم اور نفوس ذکیۂ امت کے ریا حین قلوب و بساتین ارواح ہی سے بروز ظہور کرتی ہے، اور اگرچہ آفتاب فیضان الٰہی کی تجلی تمام بحر و بر کو ظلمت غفلت و بطالت سے نجات دلانا چاہتی ہے، مگر اس کی سب سے پہلی کرنوں سے درخشندہ و جہانتاب ہونے کا حق صرف انہی طبائع مستعدہ و قلوب صافیہ کو حاصل ہوتا ہے۔ جنہوں نے اپنی استعدادِ سربلندی و رفعت سے اکتسابِ اسفارِ ہدایت کیلئے اسبقیت و اولیت کا درجہ حاصل کرلیا ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ موسم بہار ہر پھول کو لالی اور ہر پتے کو سبزی بخشے گا، اور صبح کی تجلی ہر ذرہ کو چمکیلا، اور ہر آنکھ کو بینا بنا دے گی، مگر اس سے کیا ہوتا ہے؟ دیکھنا صرف یہ ہے کہ جس وقت باغ و چمن میں پھول کھِلکھلا رہے تھے اور شاخیں ہنس ہنس کر جھوم رہی تھیں تو اس وقت امواتِ صحرا و گلخن کا کیا حال تھا؟ اور جس وقت دیواروں کی اونچی منڈیروں اور مناروں کی چوٹیوں کو صبح تجلی زیور طلائی پہنا رہی تھی تو اس وقت صحنِ مکان کے گوشوں اور ابواب و محاریب کے نیچے سونے والوں کا بھی اس فیضانِ اول میں حصہ تھا یا نہیں؟ تہ خانوں اور سردابوں کے بسنے والوں کا یہاں ذکر ہی نہیں کرنا چاہئے۔ ان کے لئے تو شاید والنہار اذا تجلّٰی[1] کا وقت ہی روشنی کی پہلی کرن بہم پہنچائے، ورنہ والفجر اور والضحیٰ کے مراتب اولیۂ تنویر تو ان کے لئے واللیل اذا یغشیٰ[2] کے حکم میں داخل ہیں! ••

---

(۱) قسم دن کی جب روشن ہو جائے۔

(۲) قسم رات کی جب گھر جائے۔

فضل

اگر تاریخ اسلام کے مختلف دوروں اور سلسلۂ دعوت وتجدید امت مرحومہ کی پچھلی کڑیوں پر نظر ڈالو تو یہ جو کچھ کہا گیا، اس کی تصدیق ہر دور کے واقعات پیش کریں گے افسوس کہ یہ موقع تفصیل کا نہیں۔ ہر دور میں تم پاؤ گے کہ اگرچہ عامۂ علماء وصلحاء امت کی ایک بہت بڑی جماعت موجود تھی اور اُن کا فضل وکمال اور ورع وتقویٰ بھی ہر طرح مسلم وثابت ہے، بلکہ بعض اُن میں ایسے تھے کہ علم وعمل کی متعدد شاخوں میں اپنا عدیل ونظیر نہیں رکھتے تھے، بایں ہمہ اُس عہد کی عزیمتِ دعوت اور تجدید ملت کے مرتبۂ خاصہ میں اُنکا کوئی حصہ نہ ہوا، اور صرف چند افرادِ عزائم ہی کی قسمت میں آیا۔ یا تو اُن کے قدمِ ہمت نے علم وعمل کی دوسری شاخوں پر قناعت کرلی، یا اِس راہ میں قدم بڑھانے کی جرأت ہی نہ کر سکے عہدِ اوائلِ بنو امیہ میں کہ ابھی ہجرت کی پہلی صدی بھی ختم نہیں ہوئی تھی کتنی بڑی جماعت اجلۂ صحابۂ کرام اور ارکان بیت نبوت وبقیۂ صالحۂ خیر القرون کی موجود تھی؟ اور کون ہے جو اُن کی عظمت وشرف میں ایک لمحہ کے لئے بھی شک کر سکے؟ لیکن بدع ومحدثات بنو امیہ کے مقابلے میں سرفروشانہ اقدام عظیمت وفتح بابِ مقاومت وثبات فی الحق والعدل کا جو ایک مخصوص مقام تھا، وہ تو بجز حضرت امام حسین (علیہ وعلیٰ آبائہ واجدادہ الصلوٰۃ والسلام) کے اور کسی کے حصے میں نہ آیا؟ عبد الملک بن مروان کا زمانہ اجلۂ تابعین وحفاظ سُنت وحملۂ علوم نبویہ سے مملو تھا، لیکن اتباع سنت وقیامِ حق کی راہ میں سود و زیاں کی

ضربِ مردانہ وار برداشت کر لینے اور مبغوضِ بندمیین آلِ مروان اور محبوبِ قلوب مؤمنین ہونے کا جو شرف سید التابعین حضرت سعید بن المسیب کے حصہ میں آیا، اس میں تو آپ کا کوئی سہیم و شریک نہ تھا؟ منصور عباسی کے زمانے میں کون کہہ سکتا ہے کہ اصحاب علم و عمل کا کال تھا؟ لیکن معلوم ہے کہ شاہانِ جور کے مقابلے میں ثباتِ حق و اعتقاد کا جو مقام عزیمت امام دار الہجرت حضرت مالک بن انس رحمتہ اللہ علیہما کو بہ ضمن مسئلہ یمین و طلاقِ مکرہ ملا، وہ تو صرف انہی کے لئے تھا؟ یہ کیا چیز تھی کہ عین اُس وقت جبکہ مشکیں اس زور سے کس دی گئی تھیں کہ ہاتھ بازو سے اکھڑ گیا تھا اور ستر کوڑوں کی ضربیں اُن کے جسم اقدس پر پڑ رہی تھیں، تو اُسی اونٹ کی پیٹھ پر کھڑے ہو گئے جس پر تذلیل و تشہیر کے لئے سوار کرایا گیا تھا، اور پکار کر کہا: "من عرفنی فقد عرفنی و من لم یعرفنی فانا مالک بن انس اقول ان الطلاق المکرہ لیس بشئ" یعنی جو مجھے جانتا ہے سو جانتا ہے۔ جو نہیں جانتا تو جان لے کہ میں ہوں مالک انس کا بیٹا، اور اُسی مسئلہ کا اعلان کرتا ہوں جس کے اعلان سے جبرًا روکا جا رہا ہے کہ طلاق مکرہ کوئی چیز نہیں! سبحان اللہ! یہ وہی مقام عزیمت کبریٰ کی شاہی و فرمانروائی تھی جس کے آگے دنیا کی پادشاہتیں پامالی کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتیں، اور یہی وہ ہیبت ربانی اور جلالت روحانی تھی جسے دیکھ کر حضرت سفیان ثوری بے اختیار پکار اٹھے تھے

فہو المہاب و لیس ذا سلطان (۱)

---

(۱) وہ بار عیب ہے حالانکہ بادشاہ نہیں۔

کیا خوب فرمایا حافظ ابن جوزی نے امام موصوف کے حالات میں کہ "وکانما کانت تلک السیاط حلیا حلی بہ" یعنی انہیں کوڑوں سے پیٹا گیا اور مشکیں کسی گئیں لیکن ان باتوں سے اُن کی عزت و عظمت گھٹنے کی جگہ اور بڑھ گئی گویا یہ ضرب تازیانہ اُن کے جمالِ عظمت واجلال کا زیور تھا۔ کہ جب پہنا دیا گیا تو رعنائی و خوبروئی دوچند ہوگئی!

نالہ از بہر رہائی نہ کند مرغ اسیر
خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نبود!

فصل

تیسری صدی کے اوائل میں جب فتنۂ اعتزال و تعمق فی الدین نے سر اٹھایا اور صرف ایک ہی نہیں بلکہ لگاتار تین عظیم الشان فرمانرواؤں یعنی مامون، معتصم اور واثق باللہ کی شمشیر استبداد نے اِس فتنہ کا ساتھ دیا، حتی کہ بقول علی بن المدینی فتنۂ ارتداد و منع زکوٰۃ کے بعد یہ دوسرا فتنۂ عظیم تھا جو اسلام کو پیش آیا، تو کیا اس وقت علماء امت اور ائمۂ شریعت سے عالم اسلامی خالی ہوگیا تھا؟ غور تو کرو، کیسے کیسے اساطین علم و فن اور اکابر فضل و کمال موجود تھے؟ خود بغداد علماء اہل سنت و حدیث کا مرکز تھا مگر سب دیکھتے کے دیکھتے ہی رہ گئے اور عزیمت دعوت، و کمال مرتبۂ وراثتِ نبوت، و قیام حق و ہدایت فی الارض والامت کا وہ جو ایک خاص مقام تھا، وہ صرف ایک ہی قائم لامر اللہ کے حصہ میں آیا۔ یعنی سید المجددین وامام المصلحین حضرت امام احمد بن حنبل

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصہ میں آیا

اپنے رنگ میں سب صاحبِ مراتب و مقامات تھے۔ مگر اس مرتبہ میں اور کسی کا ساجھا نہ تھا۔ یہ وہ وقت تھا کہ قیامِ سنت و دین خالص کا قیامت تک کے لئے فیصلہ ہونے والا تھا، مامون و معتصم کے جبر و قہر اور بشر مریسی اور قاضی ابن ابی داؤد جیسے جابرہ معتزلہ کے تسلط و حکومت نے علماء حق کے لئے صرف دو ہی راستے باز رکھے تھے۔ یا اصحاب بدعت کے آگے سر جھکا دیں اور مسئلہ خلق قرآن پر ایمان لاکر ہمیشہ کے لئے دین میں نئے نئے اضافات و محدثات کا دروازہ کھول دیں یا پھر قید خانے میں رہنا ہر روز کوڑوں سے پیٹا جانا، اور ایسے تہ خانوں میں بند ہو جانا کہ "لایرون فیہ الشمس ابداً"[1] قبول کر لیں۔ بہتوں کے قدم تو ابتدا ہی میں لڑکھڑا گئے۔ بعضوں نے ابتدا میں استقامت دکھلائی لیکن پھر ضعف و رخصت کے گوشے میں پناہ گیر ہو گئے۔ عبداللہ بن عمر القواریری اور حسن بن حماد امام موصوف کی ساتھ ہی قید کئے گئے تھے۔ مگر شدائد و محن کی تاب نہ لاسکے اور اقرار کرکے چھوٹ گئے۔ بعضوں نے روپوشی اور گوشہ نشینی اختیار کر لی کہ کم سے کم اپنا دامن تو بچا لے جائیں۔ کوئی اُس وقت کہتا تھا "لیس ھٰذا الزمان حدیث، انما ھٰذا الزمان بکاء و تضرع و دعاء کدعاء الغریق" یعنی یہ زمانہ درس و اشاعت علوم و سنت کا نہیں ہے۔ یہ تو وہ زمانہ ہے کہ بس اللہ کے آگے تضرع و زاری کیجئے اور ایسی دعائیں مانگئے جیسی سمندر میں ڈوبتا مانگے! کوئی کہتا "احفظوا لسانکم و عالجوا قلبکم و خذوا ما تعرفوا و دعوا ما تنکرون" اپنی زبانوں

---

[1] وہ اس میں کبھی سورج نہیں دیکھتے۔

کی نگہبانی کرو، اپنے دل کے علاج میں لگ جاؤ، جو کچھ جانتے ہو اُس پر عمل کئے جاؤ، جو برا ہو اُسے چھوڑ دو! کوئی کہتا "هٰذا زمان السکوت و ملازمة البیوت" یہ زمانہ خاموشی کا زمانہ ہے اور اپنے اپنے دروازوں کو بند کرکے بیٹھ رہنے کا (۱) جبکہ تمام اصحاب کار وطریق کا یہ حال ہو رہا تھا، اور دین الخالص کا بقاء و قیام ایک عظیم الشان قربانی کا طلبگار تھا، تو غور کرو کہ صرف امام موصوف ہی تھے جنکو فاتح سلطان عہد ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ انہوں نے نہ تو دعاتِ فتن و بدعت کے آگے سر جھکایا، نہ روپوشی و خاموشی و کنارہ کشی اختیار کی، نہ صرف بند حجروں کے اندر کی دعاؤں اور مناجاتوں پر قناعت کرلی، بلکہ دین خالص کے قیام کی راہ میں اپنے نفس و وجود کو قربان کر دینے اور تمام خلفِ امت کے لئے ثبات و استقامت علی السنت کی راہ کھول دینے کیلئے بحکم فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل (۲) اٹھ کھڑے ہوئے ان کو قید کیا گیا، قید خانے میں چلے گئے۔ چار چار بوجھل بیڑیاں پاؤں میں ڈالی گئیں، پہن لیں۔ اسی عالم میں بغداد سے طرطوس لے چلے اور حکم دیا گیا کہ بلا کسی کی مدد کے خود ہی اونٹ پر سوار ہوں اور خود ہی اونٹ سے اتریں، اسے بھی قبول کرلیا۔ بوجھل بیڑیوں کی وجہ سے ہل نہیں سکتے، اٹھتے تھے اور گر پڑتے تھے عین رمضان المبارک کے عشرۂ اخیر میں جس کی طاعت اللہ کو تمام دنوں کی طاعت سے زیادہ محبوب ہے۔ بھوکے پیاسے جلتی دھوپ میں بٹھائے گئے، اور آس بیٹھ پر جو علوم و معارف

---

(۱) یہاں ایک طویل حاشیہ تھا "تذکرہ" میں دیکھو۔

(۲) اُسی طرح صبر کر جس طرح الوالعزم رسولوں نے صبر کیا۔

نبوت کی حامل تھی، لگاتار کوڑے اس طرح مارے گئے کہ ہر جلاد دو ضربیں پوری قوت سے لگا کر پیچھے ہٹ جاتا اور پھر نیا تازہ دم جلاد اس کی جگہ لیتا۔ یہ بھی خوشی خوشی برداشت کر لیا، مگر اللہ کے عشق سے منہ نہ موڑا اور راہِ سنت سے منحرف نہ ہوئے۔ تازیانے کی ہر ضرب پر بھی جو صدا زبان سے نکلتی تھی، وہ نہ تو جزع و فزع کی تھی نہ شور و فغاں کی، بلکہ وہی تھی جس کے لئے یہ سب کچھ ہو رہا تھا۔ یعنی "القرآن کلام اللہ غیر مخلوق"[1] اللہ اللہ! یہ کیسی مقامِ دعوتِ کبریٰ کی خسروی و سلطانی تھی، اور وراثت و نیابتِ نبوت کی ہیبت و سطوت کہ خود المعتصم باللہ جس کی ہیبت و رعب سے قیصرِ روم لرزاں و ترساں رہتا تھا، سر پر کھڑا تھا، جلادوں کا مجمع چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھا، وہ بار بار کہہ رہا تھا "یا احمد! و اللہ انی علیک لشفیق، و انی لاشفق علیک کشفقتی علی ھارون ابنی، و و اللہ لئن اجابتنی لاطلقن عنک بیدی۔ ما تقول؟" یعنی واللہ میں تم پر اس سے بھی زیادہ شفقت رکھتا ہوں جس قدر اپنے بیٹے کے لئے شفیق ہوں۔ اگر تم خلق قرآن کا اقرار کر لو تو قسم خدا کی ابھی اپنے ہاتھوں سے تمہاری بیڑیاں کھول دوں۔ لیکن اُس پیکرِ حق، اُس مجسمۂ سنت، اُس مؤید بالروح القدس، اُس صابرِ اعظم کماصبر اولو العزم من الرسل کی زبانِ صدق سے مرضیٔ ہی جواب نکلتا۔ اعطونی شیئا من کتاب اللہ او سنۃ رسولہ حتی اقول بہ۔ اللہ کی کتاب میں سے کچھ دکھلا دو یا اُس کے رسول کا کوئی قول پیش کر دو تو میں اقرار کر لوں، اس کے سوا میں اور کچھ نہیں جانتا!

---

(۱) قرآن، کلامِ الٰہی غیر مخلوق ہے۔

چو غلام آفتابم ہمہ زآفتاب گویم

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

اگر اس چراغ تجدید و مصباح عزیمتِ دعوت کی روشنی مشکوٰۃ نبوت سے مستنیر نہ تھی تو پھر یہ کیا تھا کہ جب معتصم ہر طرح عاجز آکر قاضی ابن ابی داؤد و غیرہ علمار بدعت و اعتزال سے کہتا "ناظروہ وکلموہ"(۱) اور وہ کتاب و سنت کے میدان میں عاجز آکر اپنے اوہام ظنون باطلہ کو باسم عقل و رائے پیش کرتے تو وہ اُس کے جواب میں بے ساختہ بول اُٹھتے "ما ادری ماھذا"! میں نہیں جانتا یہ کیا بلا ہے؟ اعطونی شیئاً من کتاب اللہ او من سنۃ رسولہ حتی اقول" اس تمام کائنات ہستی میں میرے سر کو جھکانے والی صرف دو ہی چیزیں ہیں۔ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت۔ اس کے سوا دین میں نہ میرے لئے کوئی دلیل ہے نہ علم:

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم

از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس!

امام موصوف کو جب قید کر کے طرطوس روانہ کیا گیا تو ابو بکر الاحول نے پوچھا "ان عرضت علیک السیف" اگر تلوار کے نیچے کھڑے کر دیئے گئے تو کیا اس وقت مان لوگے؟ کہا نہیں ابراہیم بن مصعب کوتوال کہتا ہے میں نے کسی انسان کو بادشاہوں کے آگے احمد بن حنبل سے بڑھکر بے رعب نہ پایا "یومئذ ما نحن فی عینیہ الا کامثال الذباب" ہم عمال حکومت

---

(۱) ان سے بحث کرو، گفتگو کرو۔

اُن کی نظروں میں مکھیوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے تھے! اور یہ بالکل حق ہے جن لوگوں کی نظروں میں جلال الٰہی سمایا ہو، وہ مٹی کی اُن تپلیوں کو جنہوں نے لوہا تیز کرکے کاندھے پر ڈال رکھا ہے یا بہت سا چاندی سونا اپنے جسم پر لیپ لیا ہے، کیا چیز سمجھتے ہیں؟ اُن کو تو خود اقلیم عشق الٰہی کی سروری وشاہی اور شہرستان صدق وصفا کا تخت وتاج حاصل ہے:

مبیں حقیر گدایان عشق را، کیں قوم

شہان بے کمر وخسروان بے کلہ اند!

ابوالعباس الرقی سے حافظ ابن جوزی روایت کرتے ہیں کہ جب رقہ میں امام موصوف قید تھے، تو علماء کی ایک جماعت گئی اور اس قسم کی روایات ونقول سنانے لگی جن سے بخوف جان تقیہ کر لینے کی رخصت نکلتی ہے۔ امام موصوف نے سب سن کر جواب دیا۔ کیف تصنعون بحدیث خباب؟ ان من کان قبلکم کان ینشر احدھم بالمنشار ثم لا یصدہ ذلک عن دینہ قالوا فیئسنا منہ“ یعنی یہ تو سب کچھ ہوا مگر بھلا اُس حدیث کی نسبت کیا کہتے ہو کہ جب صحابہ نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مظالم وشدائد کی شکایت کی تو فرمایا تم سے پہلے ایسے لوگ گذر چکے ہیں جن کے سروں پر آرہ چلایا جاتا تھا اور جسم لکڑی کی طرح چیرڈالے جاتے تھے۔ مگر یہ آزمائشیں بھی انہیں حق سے نہیں پھرا سکتی تھیں[1]! ابوالعباس کہتے ہیں جب ہم نے یہ بات سُنی

---

(۱) اصل حدیث کے الفاظ صحیح بخاری میں یہ ہیں یا قریب قریب اس کے ”شکونا الی رسول اللہ صلعم وھو متوسد بردۃ لہ فی ظل الکعبۃ قلنا الا تدعو اللہ لنا؟ قال کان الرجل فیمن قبلکم یحفر لہ فی الارض فیجعل فیہ فیجاء بالمنشار فیوضع علی راسہ فیشق وما یصدہ ذلک عن دینہ۔ ویمشط بامشاط الحدید ما دون لحمہ من عظم وعصب وما یصدہ

(باقی برصفحہ ۳۸)

تو مایوس ہو کر چلے آئے کہ انہیں سمجھانا بیکار ہے۔ یہ جو میں بار بار کہہ رہا ہوں کہ "عزیمت دعوت" "عزیمت دعوت" تو یہ ہے عزیمت دعوت' اور یہ ہے وراثت و نیابت مقام فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل کی' اور یہ ہے خاصہ مرتبہ عظیمہ "من یجدد لھا دینھا"[1] کا' اور یہ ہے ان ایام فتن کا صبر اعظم و اکبر جن کی نسبت ترمذی کی روایت میں فرمایا۔ الصبر فیھن کالقبض علی الجمر[2]" تو یہی وہ لوگ ہیں جو اگر چاہیں تو گوشہ رخصت و بیچارگی میں امن و عافیت

بقیہ صفحہ ۱۴

ذلک عن دینہ۔ واللہ لیتمن ھذا الامر حتی یسیر الراکب من صنعاء الی حضرموت لا یخاف الا اللہ ولکنکم تستعجلون" یہ ہجرت سے پیشتر کا واقعہ ہے۔ بعض صحابہ نے عرض کیا۔ اعدائے حق کے ظلم و جور کی حد ہو گئی۔ آپ ہمارے لئے دعا نہیں کرتے؟ فرمایا تم سے پہلے ایسے لوگ گزر چکے ہیں کہ ظالموں نے ان کو گڑھے میں کھڑا کر کے آرہ سے چیر دیا مگر اس پر بھی انہوں نے حق سے منہ نہ موڑا' اور ایسا ہوا کہ حق پرستوں کی کھالوں پر لوہے کی کنگھیاں پھرائی گئیں جو گوشت کو ہڈی اور پٹھے سے جدا کر دیتی تھیں لیکن اس پر بھی ان کے قدم نہ ڈگمگائے خدا کی قسم دعوت حق کا جو کام شروع ہوا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔ یہاں تک کہ وہ وقت قریب ہے جب یمن سے حضرموت تک ایک سوار چلا جائیگا۔ اور بجز اللہ کے اور کسی کا خوف اس کے دل میں نہ ہوگا۔ (یعنی راہ میں ہر جگہ صرف مسلمان ہی ہوں گے۔ کوئی غیر نہ ہوگا جو حملہ کرے یا لوٹے) یہ ہونے والا ہے مگر تم جلد باز ہو" امام بخاری باب علامات النبوت میں ایک دوسری حدیث عدی بن حاتم کی بھی لائے ہیں "لترین الظعینۃ ترتحل من الحیرۃ حتی تطوف بالکعبۃ" اور "لیفتحن کنوز کسری" یعنی آپ نے فرمایا لعل اگر تم جیتے رہے تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے حیرہ سے ایک پردہ نشین عورت تن تنہا سفر کر کے آئیگی اور کعبہ کا طواف کریگی اور اس تمام سفر میں اللہ کے سوا کوئی چیز اس کے لئے موجب خوف نہ ہوگی۔ اور قریب ہے کہ مسلمانوں کے لئے کسری کے خزانے کھول دیئے جائیں۔ عدی کہتے ہیں میں زندہ رہا اور دونوں باتیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ وکنت فی من فتح کنوز کسری!

وہ زمانہ کیا ہوا جب مرے گریہ میں اثر تھا   یہی چشم خونفشاں تھی یہی دل یہی جگر تھا!

---

(۱) جو امت کے لئے اس کا دین تازہ کر دے گا۔

(۲) اس زمانہ میں صبر انگارے پکڑنے کے برابر ہوگا۔

کے پھول چن سکتے ہیں، لیکن وہ پھول چھوڑ کر دہکتے ہوئے انگارے پکڑ لیتے ہیں۔ اور اسی لئے اُن کا اجر و ثواب بھی "مثل اجر خمسین رجلاً یعملون مثل عملکم" کا حکم رکھتا ہے مانا کہ ضعیفوں اور درماندوں کے لئے رخصت و گلو خلاصی کی راہیں بھی باز رکھی گئی ہوں لیکن اصحاب عزائم کا عالم دوسرا ہے اُن کی ہمتِ عالی بھلا میدانِ عزمیت و اسبقیت بالخیرات چھوڑ کر تنگنائے رخصت و ضعف میں پناہ لینا کب گوارا کر سکتی ہے؟ جوانانِ ہمت اور مردانِ کارزار یہ ننگ کیوں قبول کرنے لگے کہ کمزوروں اور درماندوں کی لکڑی کا سہارا پکڑیں؟ جن کے لئے سلامتی ہے، ہوا کرے، مگر اُن کیلئے تو ایسا کرنا ہمت کی موت ہے، ایمان کی پامالی ہے، اور عشق کی جبین عزت کے لئے داغ ننگ و عار سے کم نہیں۔ حسنات الابرار سیئات المقربین! رخصت و عزیمت کی تفریق اور اعلیٰ و ادنیٰ کا امتیاز اصحاب عمل کے لئے ہے نہ کہ اصحاب عشق کے لیے۔ عشق کی راہ ایک ہی ہے۔ اور اُس میں جو کچھ ہے عزمیت ہی عزمیت ہے۔ ضعف و بیچارگی کا ذکر ہی کیا وہاں رخصت کا نام لینا بھی کم از معصیت نہیں۔ کما قال بعض المحبین العارفین:

ملت عشق از ہمہ دیں ہا جدا است

عاشقاں را مذہب و ملت خدا است!

حافظ ابن جوزی لکھتے ہیں جب معتصم باللہ نے جلادوں کو ضرب تازیانہ کے لئے حکم دیا تو وہ علماء اہل سنت بھی دربار میں موجود تھے جو شدتِ محن و مصائب کی تاب نہ لا سکے اور اقرار کر کے چھوٹ گئے۔ ان میں سے بعض نے کہا "من صنع من اصحابک فی ھذا الامر ما تصنع" تمہارے ساتھیوں میں سے کس نے ایسی ہٹ کی جیسی تم کر رہے ہو؟ امام احمد نے کہا یہ تو کوئی دلیل نہ ہوئی

أعطونی شیئًا من کتاب اللہ او سنۃ رسولہ حتی اقول بہٖ(۱)" عین حالتِ صوم میں کہ صرف پانی کے چند گھونٹ پی کر روزہ رکھ لیا تھا، تو تازہ دم جلادوں نے پوری قوت سے کوڑے مارے یہاں تک کہ تمام پیٹھ زخموں سے چور ہو گئی اور تمام جسم خون سے رنگین ہو گیا۔ خود کہتے ہیں جب ہوش آیا تو چند آدمی پانی لائے اور کہا پی لو مگر میں نے انکار کر دیا کہ روزہ نہیں توڑ سکتا۔ وہاں سے مجھے اسحاق بن ابراہیم کے مکان میں لے گئے۔ ظہر کی نماز کا وقت آ گیا تھا۔ ابن سماعہ نے امامت کی اور میں نے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد ابن سماعہ نے کہا تم نے نماز پڑھی حالانکہ خون تمہارے کپڑوں میں بہ رہا ہے؟ یعنی دم جاری و کثیر کے بعد طہارت کہاں رہی؟ میں نے جواب دیا "قد صلی عمر و جرحہ یثعب دمًا" ہاں مگر میں نے وہی کیا جو حضرت عمر نے کیا تھا۔ صبح کی نماز پڑھا رہے تھے۔ اور قاتل نے زخمی کیا مگر اسی حالت میں انھوں نے نماز پوری کی!

ابن سماعہ کے جواب میں حضرت امام نے حضرت عمر کی جو نظیر پیش کی تو یہ ان کی تشفی کے لئے بس کرتی تھی۔ مگر میں کہتا ہوں جو خون اُس وقت امام احمد بن حنبل کے زخموں سے بہ رہا تھا، اگر وہ خون ناپاک تھا اور اُس کے ساتھ نماز نہیں ہو سکتی تو پھر دنیا میں اور کون سی چیز ایسی ہے جو انسان کو پاک کر سکتی ہے؟ اور کون سا پانی ہے جو طاہر و مطہر ہو سکتا ہے؟ اگر یہ ناپاک ہے تو دنیا کی تمام پاکیاں اس ناپاکی پر قربان! اور دنیا کی ساری طہارتیں اس پر سے نچھاور! یہ کیا بات ہے کہ پاک سے پاک اور مقدس سے مقدس انسان کی میت کے لئے بھی غسل ضروری ٹھہرا کہ "اغسلوہ(۲) بماء وسدر

---

(۱) کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ میں سے کچھ میرے سامنے پیش کرو تاکہ میں یہ کہہ دوں۔

(۲) اخرجہ البخاری عن ابن عباس رضی اللہ عنہ۔

یکفنوہ فی ثوبین"۔ مگر شہیدانِ حق کے لئے یہ بات ہوئی کہ اُن کی پاکی شرمندۂ آبِ غسل نہیں "لم یصل علیھم و لم یغسلھم"(۲) بلکہ اون کے خون میں رنگے ہوئے کپڑوں کو بھی اُن سے الگ نہ کیجئے "یدفنوا فی ثیابھم و دمائھم"(۳) اور اسی لباس گلگوں و خلعت رنگیں میں وہاں بھجوا دیجئے جہاں اُن کا انتظار کیا جا رہا ہے، اور جہاں خونِ عشق کے سرخ دھبوں سے بڑھکر شاید اور کوئی نقش و نگارِ عمل مقبول و محبوب نہیں۔ عند ربھم یرزقون۔ فرحین بما اتاھم اللہ!(۴)

خونِ شہیداں را ز آب اولی تر است

ایں گناہ از صد ثواب اولی تر است!

اللہ اللہ! یہاں طہارتِ جسم و لباس کا کیا سوال ہے؟ امام احمد بن حنبل نے اپنی تمام عمر میں اگر کوئی پاک سے پاک اور سچی سے سچی نماز پڑھی تھی تو یقیناً وہ وہی ظہر کی نماز تھی۔ اُن کی تمام عمر کی وہ نمازیں ایک طرف جو دجلہ کے پانی سے پاک کی گئی تھیں، اور وہ چند گھڑیوں کی عبادت ایک طرف جس کو راہ ثباتِ حق میں بہنے والے خون نے مقدس و مطہر کر دیا تھا! سبحان اللہ! جس کے عشق میں چار چار بوجھل بیڑیاں پاؤں میں پہن لی تھیں، جس کی خاطر سارا جسم زخموں سے

---

(۱) پانی اور بیری کی پتی سے اسے نہلاؤ اور دو کپڑوں میں کفناؤ۔

(۲) بخاری و ترمذی میں شہداءِ احد کی نسبت غالباً حضرت جابر کی روایت ہے۔ یہ اُس کے الفاظ ہیں۔ (او کما قال)

(۳) ابوداؤد نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے "امر بقتلی احد ان ینزع عنھم الحدید وان یدفنوا فی ثیابھم و دمائھم" (یہ، یا قریب قریب اس کے الفاظ ہیں)

(۴) اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں، خدا کی دین پر خوش و خرم ہیں۔

سے چور اور خون سے رنگین ہو رہا تھا، اُسی کے آگے جبین نیاز جھکی ہوئی! اُسی کے ذکر میں قلب و زبان لذت یاب تسبیح و تحمید! اُسی کے جلوۂ جمال میں چشم شوق وقف نظارہ و دید! اور اُسی کی یاد میں روحِ مضطر محو و سرشار عشق و خود فراموشی!

یوں عبادت ہو تو زاہد ہیں عبادت کے مزے

اور یہ جو امام موصوف نے افطار سے انکار کر دیا۔ اور نماز کا وقت آیا تو یہ اول وقت و بہ جماعت ادا کرنے سے باز نہ آئے حالانکہ جسم زخموں سے چور اور پیٹھ کا خون پاؤں تک بہ رہا تھا، تو اب بتلاؤ وہ تمہارا رخصت والا معاملہ کیا ہوا؟ کیا ایسی حالت میں رخصت نہ تھی کہ روزہ کھول دیتے اور نماز کے لئے اس قدر توقف کرتے کہ زخموں پر مرہم لگا دیا جاتا؟ اور اگر تم اس عالم میں ہو کہ امن و فراغت اور طاقت و فرصت کی حالت میں بھی مصائب و خطرات سے بچنے کے لئے دعوتِ الی الحق کو ترک و ملتوی اور عزم و ثبات حق سے انحراف کیا جا سکتا ہے اور تمہارے نزدیک مصلحت و رخصت اسی میں ہے کہ بطلان و ضلالت کے آگے سر جھکا دیا جائے، تو خدارا بتلاؤ کہ یہ عالم کون سا تھا؟ کبھی اس عالم کی بھی کوئی خبر تم تک پہونچی ہے؟

یاران خبر دہید کہ ایں جلوہ گاہ کیست؟

افسوس حیلہ جوئی و بہانہ سازی کا نام تمہاری بولی میں رخصت ہے، اور ہمت کی موت اور ایمان کی جانکنی کو تمہاری بستی میں مصلحت بینی اور دانشمندی کے لقب سے پکارا جاتا ہے! تمہیں اِس عالم کی کیا خبر؟ اقلیم عزائم اور ہمت آبادِ عشق کے معاملات تمہارے وہم و گمان

سے بھی بالاتر ہیں تمہارے لئے یہی بہت ہے کہ کسی نہ کسی طرح اپنے ایمان کی بچی بچائی اور بچی کھچی پونجی بچا لیجاؤ۔ اگرچہ اس کی بھی امید نہیں:

توا ے گرد تو تم! شوکت دریا چہ میدانی؟

اسیر عذر لنگی، وسعت صحرا چہ میدانی؟

تم کہتے ہو دیدہ و دانستہ اپنی جان ہلاکت میں ڈالدینا کون سی عقلمندی اور کہاں کی حق پرستی ہے؟ بلکہ ایک طرح کی ضلالت وجنون۔ حتی تکون حرضا او تکون من الھالکین(۱)!

تو تمہاری مثال ٹھیک لائمات مصر کی سی ہے جو جمالِ عصمتِ یوسفی سے بیخبر امرأۃ العزیز کو ملامت کیا کرتی تھیں۔ تراود فتاھا عن نفسہ قد شغفھا حبا۔ انا لنراھا فی ضلال مبین(۲)۔ لیکن کاش ایسا ہوتا کہ پردہ اُٹھایا جا سکتا اور یہ کہا جا سکتا کہ اخرج علیھن(۳)! تو اُس وقت ملامت گرانِ بے درد پر اپنی ملامتوں کی حقیقت کھلتی۔ لائمات مصر نے تو صرف ہاتھ ہی کاٹ لئے تھے۔ اکبرنہ۔ وقطعن ایدیھن وقلن حاشا اللہ! ما ھذا بشرا ان ھذا الا ملک کریم(۴) لیکن عجب نہیں تمہارے ہاتھوں کی چھریاں خود تمہارے ہی گردنوں پر چل جائیں اور اُس وقت دل باختگانِ عشقِ یوسفی کہتے۔ فذالکن الذی لمتننی فیہ!

---

(۱) یہاں تک کہ تو قریب المرگ ہو جائے یا بالکل ہلاک ہو جائے۔

(۲) وہ اپنے غلام کو بھسلاتی ہے کہ جس نے اُسے موہ لیا ہے، ہم تو اُسے صریح گمراہی میں سمجھتے ہیں۔

(۳) اُن کے سامنے نکل آ۔

(۴) اُس کی قائل ہو گئیں اور اپنے ہاتھ چھریوں سے کاٹ لئے اور کہنے لگی حاشا للہ۔ یہ آدمی نہیں ہے، یہ تو بس فرشتہ ہے (یہاں ایک نہایت محققانہ حاشیہ عورتوں کے ہاتھ کاٹ لینے کے متعلق تھا " تذکرہ " میں دیکھو)

(۵) تو یہی وہ ہے جس پر تم مجھے ملامت کرتی تھیں۔

ولقد احسن القائل:

لو یسمعون کما سمعت کلامھا　　　خروا لعزۃ سجدًا ورکوعًا(۱)

امام موصوف کے لڑکے عبداللہ کہتے ہیں میرے والد ہمیشہ کہا کرتے "رحم اللہ ابا الھیثم غفر اللہ لابی الھیثم" خدا ابو الہیثم پر رحم کرے۔ خدا ابو الہیثم کو بخش دے! میں نے ایک دن پوچھا ابو الہیثم کون ہے؟ کہا جس دن مجھے سپاہی دربار میں لے گئے اور کوڑے مارے گئے۔ تو جب ہم راہ سے گذر رہے تھے، ایک آدمی مجھ سے ملا اور کہا پہچانتے ہو؟ میں مشہور چور اور عیار ابو الہیثم حداد ہوں۔ میرا نام شاہی دفتر میں ثبت ہے۔ بارہا چوری کرتے پکڑا گیا، اور بڑی بڑی سزائیں جھیلیں۔ صرف کوڑوں ہی کی مار اگر گنوں تو سب ملا کر اٹھارہ ہزار ضربیں تو میری پیٹھ پر ضرور پڑی ہونگی۔ با ایں ہمہ میری استقامت کا یہ حال ہے کہ ابتک چوری سے باز نہ آیا۔ جب کوڑے کھا کر جیل خانے سے نکلا، سیدھا چوری کی تاک میں چل دیا۔ میری استقامت کا یہ حال شیطان کی طاعت میں رہا ہے۔ دنیا کی خاطر۔ افسوس تم پر اگر اللہ کی محبت کی راہ میں اتنی استقامت بھی نہ دکھلا سکو اور دین حق کی خاطر چند کوڑوں کی ضرب برداشت نہ کرو۔ میں نے جب یہ سنا تو اپنے جی میں کہا۔ اگر حق کی خاطر اتنا بھی نہ کر سکے جتنا دنیا کی خاطر ایک چور اور ڈاکو کر رہا ہے تو ہماری بندگی پر ہزار حیف اور ہماری خدا پرستی سے بت پرستی لاکھ درجہ بہتر

کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز

اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا!

---

(۱) اگر وہ میری طرح "عزہ" کی باتیں سنتے تو اُس کے آگے رکوع و سجود میں منہ کے بھل گر پڑتے

حافظ ابن جوزی نے محمد بن اسمٰعیل کا قول نقل کیا ہے "ضربت احمد بن حنبل ثمانین سوطا لو ضربتها فیلا لهدته" احمد بن حنبل کو اسی کوڑے ایسے مارے گئے کہ اگر ہاتھی کو بھی مارے جاتے تو چیخ اٹھتا، مگر اس کو وہ عزم و ہمت نے اُف تک نہ کی جب تک ہوش رہا مرضرب پر یا تو وہی جملہ زبان سے نکلتا رہا جس کے لئے یہ سب کچھ ہو رہا تھا "القرآن کلام اللہ غیر مخلوق" اور یا یہ آیۃ کریمہ: لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا (۱)!

روئے کشادہ باید و پیشانی فراخ

آنجا کہ لطمہ ہائے ید اللہ می زنند!

یہ ہے مقام ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا (۲) کا، اور یہ ہے وراثت و نیابت حقیقی و کامل فاستقم کما امرت (۳) اور انک باعیننا (۴) اور فانہ یسلک من بین یدیہ و من خلفہ رصدا کی، اور یہ ہیں مجسم و ممثل معنی آیت کریمہ اولئک کتب فی قلوبہم الایمان و ایدھم بروح منہ (۵) اور رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ اولئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ ھم المفلحون (۶) کے، اور یہ ہے وہ معاملہ کہ ان عبادی لیس لک علیہم سلطان (۷) جب بندگان حق کو شیاطین

---

(۱) جو خدا نے لکھ دیا ہے اُس کے سوا ہم پر کوئی مصیبت نہیں پڑسکتی۔

(۲) جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر استوار رہے۔

(۳) حکم کے موجب استوار رہ

(۴) تو ہماری نگہبانی میں۔

(۵) یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر ایمان نقش کر دیا ہے اور خاص اپنی طرف سے ان کی تائید کی ہے۔

(۶) اللہ اُن سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں، یہی اللہ کی جماعت ہیں اور اللہ ہی کی جماعت کامیاب رہنے والی ہے

(۷) میرے بندوں پر تجھے کچھ بھی اقتدار نہیں۔

وا بالیس کا وہ مکر و خدع بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتا کہ لتزول منہ الجبال[1] تو ظاہر ہے کہ چمڑے کے کوڑے اور لوہے کی دھار اُن کی استقامت پر کب غالب آنے والی ہے؟ یہ تو اس کے مقابلہ میں محض ایک ابتدائی اور آزمائشی منزل ہے:

کریں گے کوہکن کے جذب دل کا امتحاں آخر

ابھی اُس خستہ کے نیروئے تن کی آزمائش ہے!

فی الحقیقت حضرت امام موصوف کی نسبت محمدی اور کمال مرتبۂ تأسی باسوۂ نبوت کی یہی شان وجلالت ہے جس نے اُن کو تمام ائمہ و مجددین امت کی صفوف مراتب وکمال سے بلند کر کے ایک دوسرے ہی مقام پر پہنچا دیا ہے حتیٰ کہ تمام ائمۂ اسلام میں یہ فضل مخصوص صرف انہی کے حصے میں آیا کہ ان کی محبت و پیروی اہل حق و سنت ہونے کی دلیل ٹھہری اور اُن سے انحراف بدعتی ہونے کی سب سے بڑی پہچان! اللہ تعالیٰ نے اُن کو فنا فی السنت ہونے کا وہ مرتبہ عطا فرمایا کہ کمال استغراق و تفانی کی وجہ سے خود اُن کی ذات گرامی ہی یکسر سنت و اتباع سنت کا پیکر و مجسمہ بن گئی۔ بحدیکہ:

نتواں ترا و جاں را بہم امتیاز کردن!

جو اس امام کے قدم بقدم چلا اُس نے سنت کو پایا، اور جس نے اس کی راہ چھوڑی اُس نے سنت رسول و منہج اصحاب رسول سے انحراف کیا۔ یہ لیا تھا کہ بڑے بڑے ائمۂ عصر کو اعتراف کرنا پڑا "اذا رأیت الرجل یحب احمد ابن حنبل، فاعلم انہ صاحب سنۃ!" اگر کسی کو دیکھو کہ امام احمد سے محبت

---

(۱) اس سے پہاڑ بھی سرک جائیں۔

رکھتا ہے تو بس جان لو کہ صاحب سنت ہے! خطیب نے تاریخ میں ہمدانی کا قول نقل کیا ہے
"یعرف بہ المسلم من الزندیق" اسی کسوٹی پر مسلم کو زندیق سے پرکھا جائے گا۔ دورقی نے کہا
"من سمعتموہ یذکر احمد بن حنبل بسوء فاتہموہ علی الاسلام"![1]

انا من اھوی و من اھوی انا ‏ ‏ نحن روحان حللنا بدنا[2]

فاذا ابصرتنی ابصرتہ ‏ ‏ و اذا ابصرتہ ابصرتنا![3]

و یقرب من ھذا ما قیل بالفارسیۃ؛

جذبۂ وصل بحدیست میان من و تو

کہ رقیب آمد و پرسید نشان من و تو

امام موصوف کے متعلق اسی حقیقت کو مزاحم الخاقانی نے ایک قطعہ میں نظم کیا تھا:

لقد صار فی الآفاق احمد محنۃ ‏ ‏ وامر الوری فیہا فلیس بمشکل

تری ذا الھوی جھلا لاحمد مبغضا ‏ ‏ وتعرف ذا التقوی بحب ابن حنبل!

اور یہ بالکل حق ہے۔ آج بھی دیکھ لو۔ ارباب بدعت کو کبھی امام موصوف کا مسلک خوش نہ آئیگا
اُن کی محبت سے ان کا دل کورا ہوگا۔ بلکہ کہیں گے کہ اُن کا طریقہ تو تاویل و رائے کی عقلمندی کے
خالی اور محض ظاہر پرستی اور بے دانشی و بے علمی کا مجموعہ ہے۔ حتیٰ کہ الرحمن علی العرش

---

(۱) جسے احمد بن حنبل کی شکایت کہتے سنو، اس کے اسلام میں شبہ کرو۔

(۲) میں وہی ہوں جس کی مجھے طلب ہے اور وہ بعینہٖ میں، ہم دو روحیں ہیں جو ایک ہی بدن میں سما گئی ہیں۔

(۳) جب تم نے مجھے دیکھ لیا تو اسے دیکھ لیا اور جب اُسے دیکھا تو مجھے دیکھ لیا۔

استوی(۱) اور ید و علو و نزول کے دقیق و فلسفیانہ معانی بھی انہیں معلوم نہ تھے برخلاف اس کے عصابۂ صالحۂ کتاب و سنت و طائفہ حقہ "ما انا علیہ و اصحابی"(۲) کہ جمیع طرق و مذاہب عبثہ سے یکسو و دامن کشاں ہیں اگرچہ "ان تعض باصل شجرۃ"(۳) کی نوبت آجائے اور مبتدعین و ارباب ہوا کے تمام شیوہ ہائے تیرہ و روش ہائے نا فرجام سے بکلی پناہ ڈھونڈھتے ہیں اگرچہ اس کی وجہ سے لاکھوں کڑوڑں انسانوں کے نزدیک مبغوض و مردود ہو جائیں تو ان کا حال یہ ہے کہ اس امام اہل سنت کی محبت و پیروی کو اپنے ایمان کی زینت اور اپنے عقائد کی خوبروئی سمجھتے ہیں اور ان کے مسلک سنت و حکمت(۴) اور طریق محمدیت خالص بے مزج بدعت قیاس و رائے کے عشق و شغف سے اپنے قلب و روح کو ہمیشہ معمور و آباد رکھتے ہیں۔ و رحمۃ اللہ علی القائل وھو ابن اعین (کما نقل الخطیب فی التاریخ) اذ یقول:

---

(۱) رحمن عرش پر متمکن ہو گیا۔

(۲) جس طریقہ پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

(۳) یہ وصیت کی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ اعلم الصحابہ بالفتن کو کہ فاعتزل تلک الفرق کلھا و لو ان تعض باصل شجرۃ حتی یدرکک الموت" یعنی جب مسلمانوں کی ایک جماعت اور ایک سبیل نہ رہے اور بہت سے مذہبوں اور طریقوں میں بٹ جائیں تو طالب حق کو چاہئے کہ ان سارے بناوٹی مذہبوں اور جماعتوں سے الگ ہو جائے اور صرف مسلم و مومن رہے۔ اگرچہ ایسا کرنے میں غربت و بیکسی کی وجہ سے درختوں کی جڑ چبا کر جینا پڑے تو اس کو بھی گوارا کرے مگر الگ الگ مذہب بنانے والوں کا ساتھ نہ دے۔ پوری روایت صحیحین میں ہے۔

ان السلامۃ عن سلمیٰ وجاریھا ان لا تمر علی حال بوادیھا

من حام حول الحمی یوشک ان یقع فیہ۔

(۴) یہاں ایک طویل حاشیہ تھا" تذکرہ" میں دیکھو۔

امضی ابن حنبل بمحنۃ مامونۃ　　وبحب احمد یعرف المتنسک[1]

فاذا رائیت لاحمد متنقصا　　فاعلم بان ستورہ ستہتک[2]

امام موصوف کا یہی وہ مقام ہے جس کی طرف بشر حافی نے اشارہ کیا تھا "قام احمد مقام الانبیاء"[3] اور کہا کہ امام احمد کی استقامت و ثبات کی آزمائش لگاتار چار بادشاہوں نے کی "بعضھم بالضراء وبعضھم بالسراء"[4] مامون معتصم اور واثق نے ضرب وحبس سے آزمائش کی متوکل نے تعظیم و تکریم اور عطا و بخشش سے لیکن "فکان فیہا معتصما باللہ عزوجل"[5] امام کی استقامت و عشق حق کی یہ تو صرف دلیل غالب آیا نہ طمع ، غالب آ جا لی دونوں آزمائشوں میں ان کی استقامت ہرگز متزلزل نہ ہوئی ۔ کہا ...

بندگان تو کہ در عشق خدا وند آند

دو جہانی را بجائے تو بھر و تبغ حرام ...

مامون ، معتصم اور الواثق نے جو کچھ کیا وہ معلوم ہے جعفر المتوکل کا یہ حال ہے کہ اس کی خلافت بدعت اور ارباب بدعت کے زوال و خسران اور سنت و اصحاب حدیث کے امن و عروج کا اعلان عام تھی ۔ حافظ ابن جوزی لکھتے ہیں متوکل بلا رعیت اس فکر میں لگا کہ کسی طرح ...

---

(۱) ابن حنبل ایک مبارک آزمائش ہو گئے ۔ احمد کی محبت سے عابد پہچانا جاتا ہے ۔

(۲) جب احمد کی برائی کرتے کسی کو دیکھو ، تو سمجھ لو کہ اس کے عیب عنقریب کھلیں گے ۔

(۳) احمد نے انبیاء کی قائم مقامی کی ۔

(۴) ان میں سے بعض نے مصیبت میں ڈال کر اور بعض نے عیش میں ڈال کر ۔

(۵) لیکن وہ ان سب میں خدا کی رسی تھامے رہے ۔

مظالم کی تلافی ہو جائے ایک بار اُس نے بیس ہزار سکے بھیجے اور دربار میں بلایا۔ ایک بار ایک لاکھ درہم بھیجا اور سخت اصرار کیا کہ قبول کر لیجیے۔ لیکن ہر مرتبہ امام موصوف نے انکار کر دیا اور کہا میں اپنے مکان میں اپنے ہاتھ سے اس قدر کشتکاری کر لیتا ہوں جو میری ضروریات کیلئے کافی ہے(۱)۔ یہ بوجھ اٹھا کر کیا کروں گا۔ کہا گیا کہ اپنے لڑکے کو حکم دیجئے وہ قبول کر لیں۔ فرمایا وہ اپنی مرضی کا مختار ہے۔ لیکن جب عبداللہ سے کہا گیا تو انہوں نے بھی واپس کر دیا۔ آخر مجبور ہو کر لانے والوں نے کہا خود نہیں رکھنا چاہتے تو فقراء و مساکین کو بانٹ دیجئے۔ فرمایا میرے دروازے سے زیادہ امیر المومنین کے محل کے نیچے فقیروں کا مجمع رہتا ہے۔ فقیروں ہی کو دینا ہے تو وہیں دیا جائے۔ اس ہنگامہ کی یہاں کیا ضرورت ہے؟ ایک مرتبہ اسحاق بن ابراہیم کے سخت اصرار سے دس ہزار درہم لے لئے تو اُسی وقت مہاجرین و انصار کی اولاد میں تقسیم کر دئیے

عدیل ہمت ساقی ست فطرت عرفی
کہ حاتم دگران و گدائے خویشتن ست!

اُن کے لڑکے راوی ہیں کہ جب خلیفہ متوکل اُن کی تعظیم و تکریم میں حد درجہ غلو کرنے لگا تو انہوں نے کہا "ھٰذا امر اشد علی من ذٰلک، ذاک فتنۃ الدین وھٰذا فتنۃ الدنیا"

---

(۱) حافظ ابن جوزی اور خطیب نے لکھا ہے کہ امام موصوف کا ذریعہ معاش یہ تھا کہ اپنے مکان کی زمین میں تھوڑی سی کشتکاری کر لیتے اور اسی پر قانع رہتے۔ زراعت کی زکوٰۃ سال بسال ادا کرتے اور اس بارے میں اُن کا عمل حضرت عمر کے فرمان خلافت پر تھا جو انہوں نے ارض سواد (عراق) کی نسبت نافذ فرمایا تھا "علیٰ کل جریب درھما و قفیزا" غور کرو یہ حال علماء سلف کا تھا، اور جو حال آج علماء دنیا کی دنیا پرستیوں کا ہو رہا ہے وہ معلوم ہے۔ یاکلون اموال الناس بالباطل ۔

یہ معاملہ تو گذشتہ معاملہ سے بھی کہیں زیادہ میرے لئے سخت ہے وہ دین کے بارے میں فتنہ تھا اور یہ فتنۂ دنیا ہے؛ یعنی مصائب ومحن کی آزمایش کہیں زیادہ پرامن ہے، بمقابلۂ آزمایش نعیم دنیا و دعوت طمع وترغیب کے، اور یہ بالکل حق ہے۔ کتنے ہی شہسواران ثبات واستقامت ہیں جو پہلے میدان آزمائش سے توصحیح وسلامت نکل گئے، مگر دوسری راہ سامنے آئی تو اول قدم ہی میں ٹھوکر لگی، حالانکہ مرد کامل وہ ہے جس پر یدعون ربہم خوفاً و طمعاً (۱) کا مقام ایسا طاری ہوجائے کہ دنیا کا خوف اور دنیا کی طمع، دونوں قسم کے حربے اُس کے لئے بالکل بیکار ہوجائیں

فهم القوم الذين لا يشقى جليسهم، ولا يستوحش انيسهم، قد نالوا مطالبهم برفع اكفهم الى خالقهم لا يحتاجون فى حوائجهم الا اليه، ولا يعولون فى مقاصدهم الا عليه! (۲)

ولله در ما قال:

ونبئت ليلى ارسلت بشفاعة الى، فهلا نفس ليلى شفيعها (۳)

أأكرم من ليلى على، فتبتغى به الوصل، ام كنت امرءً لا اطيعها (۴)

---

(۱) اپنے رب کو امید وبیم سے پکارتے ہیں

(۲) یہی وہ لوگ ہیں جن کا ہم صحبت بدبختی میں نہیں پڑتا، ان کا ہم مجلس اکتاتا نہیں، انھوں نے اپنی مرادیں اپنے خالق کی طرف ہاتھ اٹھا کر پالیں، وہ اپنی ضرورتوں میں اُس کے سوا کسی کے محتاج نہیں ہوتے اور نہ اپنے مقاصد میں بجز اس کے کسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

(۳) مجھے خبر ملی ہے کہ لیلی نے میرے پاس سفارش بھیجی ہے، مگر کیا خود لیلی اپنی سفارش نہیں ہے؟

(۴) کیا کوئی میری نظر میں لیلی سے بھی بڑھکر ہے کہ جس کے ذریعہ وصل کی آس لگائی جائے یا میں ایک ایسا شخص ہوں جو لیلی کا تابعدار نہیں؟

فصل

یہ تو اوائل کا حال تھا۔ عہد متاخرین میں بھی دیکھو تو ظہور عزیمت دعوت و تجدید امت کی بوالعجبیوں کا ہمیشہ ایسا ہی حال رہا۔ آٹھویں صدی ہجری کے اوائل میں جب دعوت عامۂ امت و تجدید شریعت و احیاء السنۃ بعد موتہا، و اخماد البدعۃ بعد شیوعہا و ارتفاعہا کی روح القدس نے شیخ الاسلام تقی الدین ابن تیمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وجود مبارک میں ظہور کیا، اور عہد اواخر کے تمام مسالکِ دعوت و تجدید کی ریاست و فاتحیت کا مقام اِس مجدد اعظم کے سپرد کیا گیا، تو کیا اُس زمانہ میں بجز شیخ الاسلام ممدوح کے اور کوئی عالم حق نہ تھا؟ تاریخ اسلام میں اُس عہد کی جس قدر تفصیلات ملتی ہیں، کسی عہد کی نہیں ملتیں۔ اگرچہ عربی خلافت کے بکلی اختتام اور فتنۂ عظیمہ یاجوج ماجوج (تاتار) کے من کل حدب ینسلون، اور تفرق مذاہب و تشتت جماعت، و شیوع عصبیت و ضوابط تقلید، و سیجاں نظر و اجتہاد کے مفاسد و مصائب اُس زمانے میں پوری طرح ظہور کر چکے تھے، اور مسلمانوں کے علمی و عملی تنزل کا نتیجہ اچھی طرح ہو چکا تھا۔ تاہم ابن تیمیہ اور ان کے معاصرین علماء کی ایک جماعت کثیرہ ہر حصہ ملک میں موجود تھی اور علی الخصوص دیار مصر و شام تو علما ہو کا ملین و ائمۂ سنت سے معمور و مشحون تھے۔ حتیٰ کہ قاضی ابو البرکات مخزومی اپنے بائیہ میں صرف دیار شام کی نسبت کہتے ہیں:

وکان فی عصرہ بالشام یومئذ سبعون مجتہداً من کل منتخب (۱)

(۱) ان کے زمانہ میں منتخب ستر مجتہد موجود تھے۔

پھر یہ بھی نہیں کہ صرف ایسے ہی لوگ ہوں جن کا شمار عامۂ علماء و مشایخ میں کیا جائے بلکہ بڑی بڑی حفاظ و نقاد علوم اور خواص و اعاظم نظر و اجتہاد موجود تھے جن کے بعد اُس درجہ کے لوگ تمام عالم اسلامی میں پیدا نہیں ہوئے۔ ابو الفتح ابن سید الناس اشبیلی، شمس الدین مقدسی، ابو العلا انصاری السبکی، قاضی ابن الزملکانی، سید ابو المحاسن دمشقی، ابو عبداللہ حریری، ابو العباس ابن عمر الواسطی، حافظ ابو الفدا عماد الدین، حافظ احمد بن قدامہ مقدسی، ابو اسحاق السعدی، امام برہان الدین الفزاری، حافظ صلاح الدین بعلبکی، شیخ صفی الدین بغدادی، حافظ ابن شامہ دمشقی، قاضی تقی الدین دقوقی، شیخ عمر بن الوردی، امام ابو العباس بن محی، حافظ جمال الدین عقیلی، حافظ برزالی الاشبیلی، تقی الدین السبکی، حافظ جمال الدین المزی، امام تقی الدین ابن دقیق العید، ابو حیان صاحب تفسیر، حافظ ابو عبداللہ الذہبی اور ان کے علاوہ بے شمار اکابر و علماء عہد جن کے حالات حافظ ذہبی اور ابن قدامہ، عسقلانی کی مصنفات میں موجود ہیں۔ تو تم ان لوگوں کی نسبت کیا سمجھتے ہو؟ کون ہے جو ان بزرگوں کے فضل و کمال علم و ورع و تقویٰ اور اتباع حق و سنت سے انکار کر سکتا ہے؟ ان میں علی الخصوص حافظ مزی، برزالی، ابن دقیق العید اور حافظ ذہبی تو اس پایہ کے بزرگ تھے کہ ان میں سے ہر شخص علوم سنت کا خزانہ اور حفظ و نقد کا امیر المومنین تھا۔ علماء حدیث متاخرین میں سے کسی مصنف کا بھی ہم خلاف امت و بیچارگان دورۂ آخر پر اس درجہ احسان نہیں ہے جس قدر حافظ ذہبی کا۔ اور اگر کوئی دوسرا اس وصف میں اُن کا شریک ہے تو وہ صرف اُن سے متاخر حافظ ابن حجر عسقلانی ہیں۔ و لیس لہما ثالث یہی وہ دو حافظ و ناقد علوم حدیث ہیں جنہوں نے نہ صرف سلف کے ذخائر و خزائن خلف کے لئے محفوظ کر دیئے بلکہ تمام

مشکلات ومعضلاتِ کار کو صاف کرکے اور ضبط واتقان وتہذیب وترتیب وتلخیص وتشریح ونقدِ رجال واسناد سے آراستہ وپیراستہ کرکے تمام آنے والی امت کے لئے اتباع سنت کی راہ بالکل سہل وآسان کردی۔ علوم اسلامیہ پر پہلا دور تدوین کا گذرا ہے، دوسرا انضباط وتنقیح اور تہذیب وتنظیم کا، سو علم حدیث کے دور دوم میں ان دو بزرگوں کی خدمات سب سے فایق اور سب سے انفع واقع ہوئی ہیں۔ یہ انہی کی خدمات حسنہ کا نتیجہ ہے کہ آج یہ علم مقدس اس قدر صاف وسہل ہوگیا ہے کہ طالبین عمل بالسنت کے لئے کسی طرح کی عذر داری وبہانہ جوئی کی گنجایش باقی نہ رہی۔ امت کا کوئی فرد اب یہ نہیں کہہ سکتا کہ حدیث پر عمل کرنا بمقابلہ کتب جدل وخلاف وکذا عند زید وکذا عند فلان کے زیادہ مشکل ہے۔ بلکہ جس طالب صادق کا جی چاہے، آنکھیں بند کرے اور اس صراط مستقیم پر بے غل وغش وبے خوف وخطر دوڑتا چلا جائے۔ فھو طریقا مستقیما، سھلا، مسلوکا، واسعا، موصلا الی المقصود المطلوب! ورضی اللہ عن الذھبی حیث یقول:

الفقہ قال اللہ قال رسولہ ۔۔۔ ان صح والاجماع فاجھد فیہ[1]

وحذار من نصب الخلاف جہالۃ ۔۔۔ بین النبی وبین رأی فقیہ[2]

پس غور کرو کہ ایسے اصحاب کمال وائمۂ علم تھے جو اس عہد میں موجود تھے، باایں ہمہ یہ حقیقت سورج کی طرح چمک رہی ہے اور ہر صاحب بصارت پر روشن کہ مقام عزیمت دعوت

---

(۱) فقہ، اللہ کا قول اور رسول کا قول ہے اگر ثابت ہوجائے اور اجماع امت ہے پس اس میں کاوش کر۔

(۲) خبردار! جہالت کی راہ سے نبی کے ساتھ فقیہ کے قول کو مخالف نہ ٹھیرا۔

کا جو ایک مقام خاص ہے، وہ ان میں سے کسی کے حصے میں بھی نہ آیا۔ وہ صرف شیخ الاسلام ابن تیمیہ ہی کے لئے تھا، سب اپنے دوسرے دوسرے کاموں میں رہ گئے، لیکن انہوں نے وہ سب کام بھی اُن سے بہتر کئے جو وہ سب کر رہے تھے، اور پھر اُن سے بڑھکر یہ کہ سب کو راہ عزیمتِ دعوت و تجدید و احیاء ملت میں منزلوں پیچھے چھوڑ دیا، اور علوم و اعمال وہبیہ و سماویہ کی اُن بلندیوں پر تن تنہا جا کھڑے ہوئے جہاں اُن کے اقران و معاصرین کو یک زبان و یک قلم ہو کر اعتراف کرنا پڑا "ما رأينا مثله وانه ما رأى مثل نفسه" نہ تو ہماری آنکھوں نے اس کا مثل دیکھا اور نہ خود اُسے کوئی اپنا سا نظر آیا:

اے تو مجموعۂ خوبی بچہ نامت خوانم؟

خود حافظ ذہبی اپنے معجم شیوخ میں جب اس نادرۃ الارض و اعجوبۃ الدہر کے اوصاف و مدائح لکھتے لکھتے تھک گئے اور وہ ختم نہ ہوئے تو بالآخر یہ کہکر خاموش ہو جانا پڑا "وهو اكبر من ان ينبه على سيرته مثلي. ووالله لو حلفت بين الركن والمقام انى ما رأيت بعيني مثله وانه ما رأى مثل نفسه، لما حنثت!" اُن کا مقام کہیں اِس سے ارفع و اعلیٰ ہے کہ مجھ جیسا شخص اُن کی سیرت و فضیلت بیان کرے۔ قسم خدا کی، اگر میں خانۂ کعبہ میں عین رکن و مقام کے درمیان کھڑے ہو کر قسم کھاؤں کہ نہ تو میری آنکھوں نے اُن کا مثل دیکھا نہ خود انہوں نے اپنا ہمتا، تو میری قسم سچی ہوگی اور میرے لئے کفارۂ یمین نہیں"! وكفا لك بالذهبي شاهدا (۱)

(۱) یہ امام ذہبی کا قول ہے، اور خود امام موصوف کے تبحر و علم... [illegible] تھا اُسکی لئے

(باقی صفحہ ۱۰۵)

۹۹۹ ے ۵

تقی الدین اضحی بحر علم یجیب السائلین بلا قنوط (۱)

احاط بکل علم فیہ نفع فقل ما شئت فی البحر المحیط (۲)

حافظ ابو الحجاج مزی صاحبِ تہذیب جس مرتبہ کے امام الحدیث تھے اُس کا حال امام ذہبی کی مصنفات خصوصاً تذکرہ و معاجم اور طبقاتِ کبریٰ سبکی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اُن کے تمام معاصرین اس پر متفق ہیں کہ وہ نہ صرف جرح و تعدیل رجال کے امام تھے بلکہ اس فن کے اماموں کے امام تھے اور ہزاروں انسانوں کی ثقاہت کا فیصلہ اُن کے قبضۂ علم میں تھا۔ با ایں ہمہ یہ مقامات اور ہیں، اور نسبتِ نبوت، و نیابتِ کاملہ منصبِ رسالت، و عزیمتِ دعوتِ کبریٰ کا مقام دوسرا ہے۔ وہ تو اُس عہد میں صرف ابن تیمیہ ہی کے لئے تھا۔ چنانچہ خود انہیں بھی وہی کہنا پڑا جو اُس عہد کے تمام اصحابِ حق نے کہا تھا «ما رأیت مثلہ ولا رأی ہو مثل نفسہ وما رأیت احدا اعلم بکتاب اللہ وسنۃ رسولہ ولا اتبع لہما منہ» میں نے اُن کا مثل دیکھا، نہ خود انہوں نے کسی کو اپنا جیسا پایا۔ میں نے کسی شخص کو ان سے زیادہ کتاب و سنت کا علم رکھنے والا اور کتاب و سنت کا اتباع کرنے والا نہیں دیکھا۔ حافظ ذہبی نے ایک موقعہ پر کہا "لم یر مثلہ منذ اربع مائۃ سنۃ" چار سو برس سے ایسا کوئی کامل پیدا نہیں ہوا۔

بقیہ صفحہ ۵۹: ان کے شاگرد علامہ تاج سبکی کا یہ قول کفایت کرتا ہے "وهو حجۃ الرجال فی کل سبیل کانما جمعت الامۃ فی صعید واحد فنظرہا" قال فی طبقاتہ الکبریٰ۔

(۲) تقی الدین علم کا بحر ذخار ہے، سائلوں کو بغیر مایوس کئے جواب دیتا ہے۔

(۳) اُس نے تمام مفید علوم کا احاطہ کر لیا ہے پس بحر اعظم کی وسعت کے بارے میں جتنا چاہو کہو۔

قمریاں پاس غلط کردۂ خودی دارند
ورنہ یک سرو دریں باغ بہ اندام تو نیست

یہاں ایک بات قابل غور ہے۔ "مارأیت مثلہ ولا رأی ھو مثل نفسہ" یہ جملہ اُن کے اکثر معاصرین کی زبان پر بعینہٖ جاری ہوا ہے۔ ذہبی اور مزی کی زبانی سن چکے۔ حافظ برزالی اور ابن حجی سے ایسا ہی منقول ہے۔ شیخ عماد الدین واسطی، ابن سید الناس، ابن نصر مقدسی، ابن دقیق العید وغیرہم نے بھی یہی کہا۔ الرد الوافر اور قول الجلی کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ تقریباً سبھوں نے بعینہٖ یہی جملہ دہرایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یا تو کسی عارف وجوہر شناس نے انکی وصف میں سب سے پہلے یہ جملہ کہا تھا لیکن کچھ ایسا صحیح وموزوں واقع ہوا کہ تمام باکمالان عہد کی زبانوں پر خود بخود چڑھ گیا:

جامۂ بود کہ بر قامت او دوختہ بود!

یا اُس نادرۃ الدہر کی بے ہمتائیوں کا یہ حال تھا کہ جو نظر پڑتی تھی بے ساختہ یہی کہہ اٹھتی تھی۔ سورج کو کروڑوں آنکھیں دیکھتی ہیں، لیکن ہر آنکھ کو یہی نظر آتا ہے کہ روشن ہے۔ یہ تو کوئی نہیں کہتا کہ روشن نہیں؟ پریوں کے وجود میں لوگوں کو اختلاف ہے لیکن خوبصورت انسانوں کے بارے میں سب کی رائیں متفق ہیں۔ ایک حسین چہرا جو دیکھے گا، وہی کہے گا جو سب کی زبانوں سے نکل رہا ہے:

این نگاہیست کہ شائستۂ دیدن ہست!

مشہودات ومحسوسات میں ہمیشہ تمام اصحاب انظار واحساس یک حکم ویک زبان ہوتے ہیں یہاں اختلاف کی گنجائش نہیں۔ الا یہ کہ کوئی اندھا یا فاتر الحس ہو۔ سو شیخ الاسلام ابن تیمیہ

کے عہد میں بھی ایسے لوگ تھے جن کی نظروں پر تعصب و نفسانیت یا جہل و تقلید کا حجاب پڑ گیا تھا، پس ان کو وہی نظر آیا جو بند آنکھوں کو نظر آسکتا ہے:

وما ضر نور الشمس ان کان ناظرا　　الیہا عیون لم تزل دھرھا غمضا[1]

لیکن یہاں ان کا ذکر نہیں۔ اصحاب بصارت جتنے تھے، ان سب نے بالاجماع یہی کہا "ما رائینا مثلہ ولا رای ھو مثل نفسہ" اور یہی وہ خصائص بینہ و باہرہ مقام تجدید و نیابتِ نبوت کے ہیں جن کی نسبت بار بار کہہ رہا ہوں کہ بڑے سے بڑے سر کو بھی وہاں جھکے بغیر چارہ نہیں:

فانک شمس والملوک کواکب　　اذا طلعت لم یبد منہن کوکب[2]

تم جانتے ہو ایک چیز خوبصورتی ہے، اور ایک چیز اس سے بھی بڑھکر ہے جس کے لئے زبان کچھ بھی نہیں کہہ سکتی لیکن آنکھ سمجھتی اور ذوق پہچان لیتا ہے۔ خواجہ حافظ نے اس کو "آن" سے تعبیر کیا ہے:

شاہد آن نیست کہ موئے و میانے دارد　　بندۂ طلعت آں باش کہ آنے دارد

اور پھر جب بالکل مجبور ہوگئے تو اشارہ کر کے چھوڑ دیا:

ایں کہ می گویند "آں" بہتر ز حسن

یار ما "ایں" دارد و "آں" نیز ہم!

---

(۱) آفتاب کے نور کو اس سے کیا نقصان پہونچ سکتا ہے کہ اسے دیکھنے والی ایسی آنکھیں ہیں جو سدا سے بند رہی ہیں

(۲) تو آفتاب ہے اور بادشاہ ستارے ہیں، جب تو طلوع ہوتا ہے تو ان میں سے کوئی ستارہ بھی دکھائی نہیں دیتا۔

تو وہ جو ایک چیز ہے کہ "آنے دارد" اُس کے لئے کسی کا صرف خوبصورت ہونا ہی کافی نہیں۔ ہا
خوبصورت تو ہزاروں ہوتے ہیں مگر "آن" رکھنے والے چشم و ابرو لاکھوں خوبان روزگار میں بھی ڈھونڈے
نہیں ملتے۔ اور اگر ملجائیں تو سمجھنا چاہئے فطرت کی بڑی ہی فیاضی بلکہ غیر متوقع اسراف ہے
شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے عہد میں حسینوں اور خوبرویوں کی کمی نہ تھی۔ معاجم ذہبی اور درر کامنہ عسقلانی
سے اگر اُس عہد کے صرف ایسے علمار کبار کی ایک فہرست طیار کرلی جائے جو اپنے کمال علم و عمل کی بنا
پر ائمۂ عصر و اساطینِ علوم تسلیم کئے گئے تو ان کی تعداد سو سے بھی متجاوز ہوگی۔ صاحب الرد الوافر
نے صرف اُن علمار کا ذکر کیا ہے جنھوں نے شیخ الاسلام کے مرتبۂ اجتہادِ مطلق و امامت فی الدین
کا اعتراف کیا۔ اُن میں سے صرف معاصرین کو چھانٹ لیا جائے تو ساٹھ ستر سے کم نہ ہونگے
یہ سب یقیناً حسین تھے۔ اور بعض کی حسن و رعنائی پر تو ایک زمانہ فریفتہ و شیدا ہوا۔ اور
کتنے ہی حسینانِ روزگار نے ان سے دلربائی و دلاویزی کے بھید اور نکتے سیکھے۔ تاہم اِس کو کیا
کیجئے کہ وہ جو ایک چیز حسن و خوبروئی سے بھی بلند تر ہے' یعنی عزیمت دعوت و تشبہ بالانبیار کی
شان و آن' تو اُس کے لئے صرف حسن طلعت و بلندی قامت ہی کافی نہیں۔ ان باتوں کے
علاوہ بھی کچھ اور ہونا چاہئے۔ اور وہ اُس عہد میں صرف شیخ الاسلام ابن تیمیہ ہی کے حصہ میں آیا تھا

ہزار نکتہ دریں کار و بار دلداری ست — کہ نام آں نہ لب لعل و خط زنگاری ست!

حافظ برزالی' ابوالحجاج مزی' ابن سید الناس' ابن دقیق العید' ذہبی' ابن نصر مقدسی' ابو
حیان صاحب تفسیر' ان خوبان عہد کے حسن و جمال پر کون نام دھر سکتا ہے؟ لیکن وہ سب
یک زبان ہو کر کہتے ہیں کہ امام ابن تیمیہ کا سا جمال ہماری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا اور اُن کا

مقام اس سے کہیں بلند ہے کہ ہم جیسے اُن کی تعریف و توصیف کریں۔ تو غور کرنا چاہئے کہ آخر وہ کیا چیز تھی جس کو یہ سب بھی نہ پا سکے؟ اس کو خود شیخ ابو حیان نے امام ابن تیمیہ کی ایک مجلس دیکھتے ہی کہہ دیا تھا۔(۱)

---

(۱) یہ وہی ابو حیان امام النحو والادب ہیں جن کی تفسیر بحر المحیط اور اس کا مختصر نہر مصر میں چھپ گیا ہے۔ حافظ عسقلانی نے درر کامنہ میں ذہبی سے نقل کیا ہے کہ جب امام ابن تیمیہ مصر گئے تو شیخ ابو حیان سے ملاقات ہوئی۔ پہلی ہی مجلس میں اس درجہ معترف ہوئے کہ فی البدیہہ اشعار مذکورۂ متن ان کی مدح میں کہکر سنائے، اور کہا "واللہ ما رأت عینای مثل ھذا الرجل" لیکن بعد کو صحبت سازگار نہ ہوئی۔ نحو کے کسی مسئلہ میں ابو حیان نے سیبویہ کا حوالہ دیا۔ ابن تیمیہ نے کہا۔ یہ سیبویہ کی اُن اسی غلطیوں میں سے ایک غلطی ہے جو اُس نے قرآن کے متعلق کی ہیں۔ وما کان سیبویہ نبی النحو ولا معصومًا۔ اس پر ابو حیان نہایت برافروختہ ہوئے اور پھر آخر تک مخالف رہے۔ حافظ عسقلانی لکھتے ہیں "وصیر ذالک ذنبا لا یغفر" یہی وجہ ہے کہ تفسیر میں ایک موقعہ پر امام ابن تیمیہ کا ذکر اس طرح کیا ہے جس سے نہایت نفرت و مخالفت ٹپکتی ہے۔ کیا خوب فرمایا حبر الامت حضرت ابن عباس نے "استمعوا علی العلماء ولا تصدقوا بعضھم علی بعض فوالذی نفسی بیدہ' لھم اشد تغایرا من التیوس فی زروبھا" وقال بعض الائمة "یوخذ بقول العلماء فی کل شئ الا قول بعضھم فی بعض" حافظ ابن عبدالبر نے کتاب العلم میں یہ اقوال نقل کئے ہیں اور حافظ ذہبی نے قول العلما بعضھم فی بعض پر ایک رسالہ لکھا اور کہا معاصرت سے بڑھکر علماء کے لئے کوئی ابتلا نہیں۔ "ولو فتحنا ھذا الباب واخذنا بقول المعاصرین بعضھم فی بعض لما سلم لنا احد من الائمة بل اجل الصحابة والتابعین" اور یہ بالکل حق ہے۔ امام ابن عبدالسلام کا قول اگر حافظ ابن الصلاح کی نسبت ہم قبول کرلیں اور حافظ ابن صلاح کا ابن عبدالسلام کی نسبت' یا حافظ سیوطی کی رائے حافظ سخاوی کی نسبت مان لی جائے اور حافظ سخاوی کی سیوطی کی نسبت' تو اس کا نتیجہ صرف یہی نکلے گا کہ ہم دونوں سے بدظن ہو جائیں گے' حالانکہ دونوں حسن ظن و اعتقاد کے مستحق ہیں۔ بڑے بڑے اعاظم علم و عمل کو اس بارے میں لغزش ہوئی' اور ہمکو یقین ہے کہ اُن کی خدمات کثیرۂ و عظیمۂ علم و عمل کے مقابلے میں یہ لغزش ضرور بخشدی جائے گی۔ ہم بے مایگان علم و تہی دستان عمل کو زیب نہیں دیتا کہ ان میں سے کسی کی نسبت بھی حرف سوء نکالیں یا ان کے ادب و تعظیم میں

(باقی بر صفحہ ۶۱)

قام ابن تیمیة فی نصر شرعتنا | مقام سید تیم اذ مضت مضر (۱)
فاظهر الحق اذ اثاره درست | واخمد الشر اذ طارت له شرر (۲)
کنا نحدث عن حبر یجئ، فها | انت الامام الذی قد کان ینتظر (۳)

تو یہ جو کہا کہ "مقام سید تیم" اور "انت الامام الذی قد کان ینتظر" سو یہی وہ چیز ہے کہ آور نکو سب کچھ ملا تھا مگر یہ چیز نہیں ملی تھی، اور یہی ہے کہ ہمیشہ سیکڑوں ہزاروں اصحاب طریق میں سے کسی ایک رجل الرجال ہی کے حصے میں آتی ہے۔ شیخ نجم الدین اسحاق نے اپنے مشہور رائیہ میں بھی اسی چیز کی طرف اشارہ کیا تھا:

و قد علم الرحمن ان زماننا | تشعب فیه الرای ای تشعب (۴)
فجاء بحبر عالم من سراتهم | لسبع مئین بعد هجرة یثرب (۵)
یقیم قناة الدین بعد اعوجاجها | وینقذها من قبضة المتعصب (۶)

بقیہ صفحہ ۴۴ - مضائقہ کریں۔ جنہوں نے اشرفیاں کمائی تھیں انہوں نے ایک مٹھی مٹی کی بھی بھر لی۔ لیکن ہمارے دامن میں بجز گرد و خاک کے اور کیا ہے؛ ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا

(۱) ہماری شریعت کی حمایت میں ابن تیمیہ نے وہ کیا جو بنی تیم کے سردار (حضرت ابوبکر) نے کیا تھا جب قبائل مضر نے سرکشی کی تھی۔

(۲) انہوں نے حق کو اس وقت نمایاں کیا جب اس کے نشان تک مٹ چکے تھے، اور شر کی آگ اس وقت بجھا دی جب اس کے شرارے بلند ہو چکے تھے۔

(۳) ہم میں ایک حبر امت کی آمد کا چرچا تھا جسے اب ہم نے پالیا، وہ امام تو ہی ہے جس کا انتظار کیا جا رہا تھا۔

(۴) رحمن جانتا ہے کہ ہمارے زمانہ میں (شریعت کی جگہ) رائے کس قدر پھیل گئی ہے۔

(۵) لیکن علماء کے سرداروں میں سے ایک عالم متبحر ہجرت مدینہ سے سات سو برس بعد ظاہر ہوا ہے۔

(۶) اس نے کجی کے بعد دین کا راستہ پھر سیدھا کر دیا ہے اور دین کو متعصبوں کے پنجہ سے چھڑا لیا ہے۔

وجاھد فی ذات الالٰہ بنفسہ ۔ وبالمال و بالاھلین والام والاب(۱)

و من رام حبرًا دونہ الیوم فی الوریٰ ۔ فذاک الذی قد رام عنقا مغرب(۲)

علیم بادواء النفوس یسوسھا ۔ بحکمتہ فعل الطبیب المجرب(۳)

آخری شعر محض شاعرانہ مداحی نہیں ہے۔ ایک نہایت ہی دقیق نکتہ کی طرف اشارہ ہے۔ "علیم بادواء النفوس" اور "بحکمتہ فعل الطبیب المجرب" یعنی مقام نبوت کی وراثت و نیابت کاملہ۔ یہ بات کہ جس طرح ایک طبیب حاذق ہر طرح کی بیماریوں اور اُن کے اسباب و آثار و نتائج کو جانتا، اور ہر عمر و مزاج کے بیماروں کا علاج کرتا، اور کمال حذاقت و فراست طبیہ کی وجہ سے صرف چہرہ دیکھکر یا نبض پر انگلیاں رکھکر سب کچھ سمجھ لیتا اور پرکھ لیتا ہے، اُسی طرح جماعت و ملت کے تمام امراض جدیدہ و مزمنہ اور ظاہرہ و مخفیہ کا نباض ہونا، اور انسان کی ذہنی و نفسی اور روحانی و معنوی بیماریوں کو بیک نظر تفرس پہچان لینا، اور ٹھیک ٹھیک اُس کی حالت و استعداد اور مقتضیات کے مطابق درجہ بدرجہ علاج کرنا اور ہر مریض کو اُس کی حالت کے مطابق نسخہ دینا، اعمال مہمہ و مختصہ نبوت میں سے ہے، اور یتلو علیھم اٰیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ(۴) میں "یزکیھم" اُسی جانب اشارہ ہے۔ پس انبیاء کرام کے بعد یہ مقام صرف اُنھی نفوس خاصہ کو حاصل ہو سکتا ہے جو اُسوۂ حسنۂ نبوت

---

(۱) اُس نے اپنی جان، مال، اہل و عیال، اور ماں باپ سب سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہے۔

(۲) آج اُسے چھوڑ کر مخلوق میں کسی اور حبر کو تلاش کرنا عنقاء مغرب کا تلاش کرنا ہے۔

(۳) تمام نفسی بیماریوں کا ماہر ہے اور طبیب مجرب کی طرح اپنی حکمت سے قلوب کی قیادت کرتا ہے۔

(۴) اُنہیں آسکی آیتیں سنائے، پاک کرے اور کتاب و حکمت سکھائے۔

اور اخلاق وصفاتِ نبویہ کے کامل تاسی اور سنتِ سنیۂ خالصہ ومحضہ کے کمال اتباع وتفانی سے وراثت ونیابتِ انبیاء ورسل کے مرتبہ پر پہونچ جاتے ہیں، اور معالجۂ نفوس وتداویٔ ارواح و قلوب وطبابتِ اقوام وملل کے تمام اسرار وخفایا ان پر اس طرح کھل جاتے ہیں کہ بقول صاحب تفہیمات "گویا ہمہ را میان ہر دو چشم خود متمثل ومتشخص می بینند" و نہ از چشم بصیرت بلکہ از چشم سر مشاہدہ می کنند" کا مقام کشف ورفع حجب حاصل ہو جاتا ہے۔ حضرت شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے غنیۃ الطالبین میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے "ہم حراس القلوب، جواسیس الارواح، الامناء علی السرائر والخفیات، المطلعون علیٰ ما اضمرت بواطن العباد وانطوت علیہ النیات" وہ دلوں کے نگراں ونگہبان، روحوں کی جاسوسی کرنے والے، رازوں اور بھیدوں کے خزانچی، اور سینوں کے اندر کی چھپی ہوئی باتوں اور دلوں کی تہ کی نیتوں کی خبر رکھنے والے لوگ ہیں! تو اگرچہ اُس عہد میں بڑے بڑے اصحاب علم وعمل موجود تھے، مگر "علیم بادواء النفوس" اور "الطبیب المجرب" ہونے میں اُن کا کوئی حصہ نہ تھا، اور کچھ تھا تو مرتبۂ قوت نظری سے قوت عملی تک نہیں پہنچا تھا۔ وذلک من عمل النبوۃ۔ یہ بات صرف شیخ الاسلام ابن تیمیہ ہی کے حصے میں آئی تھی، اور ہر عہد میں صرف ورثاء ونقباء نبوت واصحاب عزائم وتجدید ہی کے حصہ میں آتی ہے۔ یہی چیز ہے جس کی طرف حافظ ذہبی نے اُن کے حالات میں اشارہ کیا کہ "ولقد نصر السنۃ المحضۃ والطریقۃ السلفیۃ، واحتج لہا ببراھین ومقدمات وامور لم یسبق الیہا واطلق عبارات احجم عنہا الاولون والآخرون" یعنی ابن تیمیہ نے سنت محضہ اور طریقت خالصۂ سلف واوائل کی حمایت کی، اور اُس کے لئے ایسی دلیلوں

اور مقدموں سے احتجاج کیا جو اُن سے پہلے کسی سے بھی بن نہ آئے - تو یہ جو کہا کہ "نصر السنۃ المحضۃ" تو ایک عجیب نکتہ کہدیا اور گویا ابن تیمیہ کی پوری سوانح عمری بیان کر دی - یہی وہ فضل مخصوص ہے جو ذہبی و برزالی و مزی و ابن دقیق العید جیسے شیوخ عہد کے سروں کو بھی ابن تیمیہ کے سامنے اطفال مکاتب کی طرح جھکا رہا ہے - صدر اول کے بعد سے ہر سنت کا معاملہ بہت نازک ہو گیا - ایک راہ "اتباع سنت" کی ہو گئی ایک اتباع "سنت خالص و محض" کی "والقصۃ بطولہا" - تو اُس عہد میں علم و عمل سنت والے ضرور تھے مگر "سنت محضہ و خالصہ" کا مقام صرف ابن تیمیہ ہی کو ملا تھا، اور اسی کمال تشبہ و تخلق بصفات نبوت اور بے میل و بے داغ، اتباع و تفانی سنت نے اُن کو اعمال نبوت کی وراثت کاملہ و نیابت حقہ کے منصب ارفع و اعلیٰ پر پہنچا دیا تھا:

اے گل بہ تو خورسندم، تو بوئے کسے داری!

یہی حافظ ذہبی ایک دوسرے موقعہ پر لکھتے ہیں "و ھو عجیب فی استحضار السنۃ و استخراج الحجج منہا بحیث یصدق علیہ ان یقال کل حدیث لا یعرفہ ابن تیمیہ فلیس بحدیث ولکن الاحاطۃ للہ تعالیٰ(۱)" یعنی علوم سنت کے استحضار اور اُن سے دلائل و براہین کے

---

(۱) حافظ ذہبی نے امام ابن تیمیہ کا ترجمہ سات سے زیادہ موقعوں پر لکھا ہے - ہر مقام پر پوری تفصیل سے حالات لکھتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے لکھتے ہوئے جوش ارادت و اضطراب عقیدت سے بیخود ہو ہو جاتے ہیں سب سے زیادہ تفصیل تینوں معاجم میں کی ہے - یعنی کبیر، اوسط، صغیر میں - اور چونکہ بہ لحاظ اخذ سند و اجازت مسند امام احمد و سماعت روایات، و قرأت مصنفات، امام ابن تیمیہ کے شاگردوں میں داخل ہیں اس لئے اپنے معجم شیوخ میں بھی حالات لکھے ہیں - ان کتابوں کے علاوہ تذکرۃ الحفاظ میں بالاختصار اور تاریخ الاسلام کبیر میں بتفصیل

(باقی برصفحہ ۶۵)

استنباط میں اُن کا رسوخ و احاطہ عجیب و غریب ہے۔ یہانتک کہ اُن پر یہ بات صادق آتی ہے کہ جس حدیث کو ابن تیمیہ نہیں جانتے وہ حدیث ہی نہیں! اور معجم شیوخ میں لکھتے ہیں "نصر السنۃ المحفوظۃ حتی اعلی اللہ تعالےٰ منارہ وجمع قلوب اھل التقوی علی محبتہ"

بقیہ صفحہ ۶۴۔ تذکرہ کیا ہے اور خصوصیت کے ساتھ اُن کے ابتلاء و محن اور وقعات مصریہ و شامیہ کے حالات لکھے ہیں۔ امام موصوف کی ایک مشہور کتاب منہاج السنت ہے۔ اُس کو اُنہوں نے مختصر کیا تھا اُس کے دیباچہ میں بھی مفصل ترجمہ درج کیا ہے۔ علاوہ بریں ابن تیمیہ کی اکثر مصنفات اپنے قلم سے لکھی ہیں اُن کے آخر میں یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ "میں نے خود مصنف سے بہ شرائط قرات و سماعت اجازت لی" مختصراً تذکرہ حالات و مناقب بھی کر جاتے ہیں۔ من احب شیئاً اکثر ذکرہ۔ قول مندرجۂ متن معجم کبیر میں ہے حافظ ابن ناصر الدین شافعی نے الرد الوافر میں اور حافظ عسقلانی و سیوطی نے درر کامنہ اور طبقات الحفاظ میں یہ تمام اقوال یکجا کر دیئے ہیں۔ نیز حافظ ابن قدامہ و حافظ عماد الدین واسطی اور ابو حفص بزاز وغیرہم نے سیرت ابن تیمیہ میں۔ اور واضح رہے کہ صرف حافظ ذہبی ہی کا یہ حال نہیں ہے۔ الرد الوافر میں تقریباً ایک سو اکابر و مشاہیر عہد و قریب العہد کے اقوال نقل کئے ہیں جنہوں نے بالاتفاق اُن کے مجتہد مطلق، امام العصر، نادرۃ الدہر، نابغۃ الاسلام، اوحد الزماں، مجدد کتاب و سنت، محی الملت، انموذج الخلفاء الراشدین، اخر الائمۃ المجتہدین، مفتی الفرق، الامام فی کل علم وفن، اعجوبۃ علماء القرون الوسطیٰ، ہونے کا ایسے لفظوں میں اعتراف کیا ہے جن سے زیادہ توصیف و تمجید کے الفاظ نہیں ہوسکتے:

نہ من برار گل عارض غزل سرایم و بس — کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزار آمد!

یہ حال تو معاصرین اور قریب العہد علماء کا ہے۔ بعد کے مورخین کا یہ حال ہے کہ الرد الوافر پر مصر و شام کے مشاہیر علماء و ائمۂ عصر نے تقریظیں لکھیں ہیں۔ اُن میں حافظ ابن حجر عسقلانی اور قاضی عینی حنفی شارح بخاری بھی ہیں۔ قاضی عینی لکھتے ہیں جو شخص ابن تیمیہ کے مراتب عالیہ علم و عمل دراجتہاد ...
(باقی نوٹ صفحہ ... پر دیکھو)

"سنت محفوظ" کا علم و عمل ہی وہ نعمتِ عظمیٰ ہے جو اعمال نبوت کا دروازہ کھولدیتی ہے۔
حافظ برزالی کا قول شاید اوپر گذر چکا ہے "ما رأینا احداً اعلم بکتاب اللہ وسنۃ رسولہ
ولا اتبع لہما منہ" ہم نے ابن تیمیہ سے بڑھکر نہ تو کسی کو کتاب وسنت کا عالم دیکھا اور
نہ عامل۔ سبحان اللہ کیسے جامع ومانع لفظوں میں تعریف کی ہے کہ اس آدھی سطر کے اندر سب کچھ
آگیا ہو ابن تیمیہ کی نسبت کہا جا سکتا تھا۔ ایسے ممدوح کے لئے ایسے ہی مداحوں کے قلم و زبان
کی ضرورت تھی۔ پس یہ چیز کہ کمال علم کتاب وسنت کے ساتھ کمال عمل کتاب وسنت بھی
جمع ہو جائے، وہ فضل مخصوص ہے جس کے بغیر نبوت کا پورا پورا علمی و عملی ورثہ نہیں مل سکتا
گو بقدر استعداد و استحقاق ہر سالک طریق کے حصے میں کچھ نہ کچھ ضرور آتا ہے۔

توفیق بہ اندازۂ ہمت ہے ازل سے ۔۔۔ آنکھوں میں ہے وہ قطرہ جو گوہر نہ ہوا تھا!

اور یہ جو کہا تو صرف جوش عقیدت کی مداحی نہیں ہے، بلکہ اُن کے معاصرین میں جو لوگ صاحب نظر
و نقد تھے، خود اُن کی زبانوں سے بعینہ یہی حقیقت نکل چکی ہے۔ حافظ ابو العباس عماد الدین
واسطی الحزامی صاحب "البلغۃ فی الفقہ" باعتبار علم کے شیخ العصر اور باعتبار عمل و زہد و ورع
کے بڑے بڑے اہل اللہ اور اصحاب طریقت کے ممدوح و مقصود تھے۔ حافظ ذہبی نے اُن کو
اپنے شیوخ کتب (۱) میں سے شمار کیا ہے۔ کتاب المشتبہ میں اُن کا ذکر ان لفظوں میں کرتے ہیں

بقیہ نوٹ صفحہ ٦٦ - سے انکار کرتا ہے وہ یا تو مجنون ہے، یا کمال سفیہ و بلید، یا سخت شریر و مفسد۔ حافظ عسقلانی
کی رائے اس تقریظ پر موقوف نہیں۔ ان کی شیفتگی و ارادت کا جو حال ہے وہ درر کا منہ سے ظاہر ہوتا ہے جس میں نہایت
شرح و بسط سے ترجمہ لکھا ہے اور معاصرین کی شہادتیں ان کے فضل و کمال مخصوص پر جمع کی ہیں۔

(۱) یہاں اصل میں ایک پر از معلومات فٹ نوٹ تھا جسے "تذکرہ" میں دیکھنا چاہیے۔

"قال شیخنا القدوۃ عماد الدین الحزامی" یہی حافظ عماد الدین ایک رسالہ میں جو اصحاب و تلامذۂ ابن تیمیہ کے نام لکھا تھا، لکھتے ہیں "واللہ ثم واللہ، لم یر تحت ادیم السماء مثل شیخکم ابن تیمیۃ علماً و عملاً، وحالاً وخلقاً و اتباعاً، وکرماً و حلماً، و قیاماً فی حق اللہ تعالیٰ عند انتہاک حرماتہ" قریب قریب یہی الفاظ ہیں۔ اس کے بعد پھر ایک موقعہ پر لکھتے ہیں "و واللہ ما رأینا فی عصرنا ھذا من تستجلی النبوۃ المحمدیۃ وسنتہا من اقوالہ وافعالہ الا ھذا الرجل یشہد القلب الصحیح ان ھذا ھو الاتباع حقیقۃ!" یعنی قسم خدا کی، آسمان کے نیچے آج تمہارے شیخ ابن تیمیہ کا نظیر و مثیل کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ نہ علم میں نہ عمل میں، نہ حال میں نہ خلاق میں، نہ اتباع حق اور نہ شیوۂ کرم و کمال حلم میں، اور نہ اللہ اور اُس کے شعائر کے حفظ و قیام کی راہ میں، اور قسم خدا کی، ہم نے اپنے زمانے میں کسی کو نہ دیکھا جس کے اقوال و افعال سے نبوت محمدی کے انوار اور اُن کی سنت کی روشنیاں چھن چھن کر نکلتی ہوں۔ الا ابن تیمیہ کو اُن کو دیکھکر دل بے اختیار بول اٹھتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی اتباع اِسے کہتے ہیں اور ایسا ہوتا ہے!۔ انتہیٰ۔ یہ حافظ موصوف کی شہادت ہے۔ میں کہتا ہوں اُسوۂ محمدی کے کامل تاسی اور علوم و معارف نبوت کے کامل استفاضہ کا یہی وہ مقام ہے جسکو اصحاب اشارات نے "نسبت محمدی" سے تعبیر کیا ہے، تو یہ "نسبت محمدی" ہے۔ اور "فیض محمدی" کا وہ استفاضۂ تامہ جس کی نسبت صاحب فتوحات نے کہا کہ امت مرحومہ کے لئے قطبیت و فاتحیت اور ولایت کبریٰ کا منتہیٰ مرتبہ ہے۔ اور پھر یہی وہ حقیقت ہے، جسکو بعض اصحاب اصطلاح

نے "اتحاد" کے مقام سے تعبیر کیا۔ یعنی اتباع اور تعشق و تشبہ بالانبیاء کے کمال تفانی و استہلاک سے بحکم "المرء مع من احبہ"

عن المرء لا تسئل وسل عن قرینہٖ[1]

مطیع و محب کا مطاع و محبوب کے تمام صفات و خصائص سے متمثل و متخلق ہو جانا، او بحکم "من کان اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما[2]" اور "حتیٰ یکون ھواہ تابعاً لما جئت بہٖ[3]" اس درجہ اعتقاداً و عملاً استغراق محبت رسول و ترک ما سواہ کہ بحکم "ومن یطع اللہ ورسولہ فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم[4]" کامل مرتبۂ معیت و یگانگت سے بہرہ اندوز و فایز المرام ہونا، اور

فاذا ابصرتہ، ابصرتنی

کے معاملہ کا پیش آجانا۔ نہ وہ "اتحاد" جو ملاحدۂ حلولیہ کا اتحاد ہے، اور جو فی الحقیقت انسان کے تمام مخترعہ اقسام شرک میں سے اکبر و اغلظ قسم شرک کی ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔ کیونکہ فی الاصل "اتحاد" مصطلحۂ اصحاب حق و توحید کے معنی اس سے زیادہ نہیں کہ تخلقوا باخلاق اللہ[5]

رشتہ در گردنم افگندہ دوست	می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست!

---

(۱) اگر کسی کی حالت جاننا ہے تو خود اس کی نہیں، اس کے ہم نشینوں کی حالت کی جستجو کرو۔

(۲) جسے اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ پیارا ہو۔

(۳) یہاں تک کہ اس کی خواہش میری شریعت کے تابع ہو جائے۔

(۴) جنہوں نے اللہ اس کے رسول کی اطاعت کی تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہیں جن پر خدا نے اپنی نعمت اتاری ہے۔

(۵) خود اللہ کے سے اخلاق حاصل کرو۔

حافظ ابن کثیر (صاحب تفسیر) نے اپنی تاریخ کبیر "البدایۃ والنہایۃ" میں انہی شیخ عماد الدین، واسطی کی نسبت لکھا ہے کہ ابتدا میں اُن کا مسلک دوسرا تھا۔ پھر دوسرا ہی رنگ چڑھ گیا اس تبدیلی کا باعث صرف امام ابن تیمیہ کی ایک صحبت ہوئی۔ اُن کی نشو و نما فقہا و متکلمین کی جماعت میں ہوئی تھی اس لئے جدل و خلاف اور کلام و رائے کا اثر غالب تھا۔ مصر سے بغداد گئے تو وہاں خیالات میں توسیع ہو گئی اور اپنی حالت کا محاسبہ کیا تو یقین و طمانیت سے قلب خالی پایا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ فقہاء و متکلمین کے طریق سے دل برداشتہ ہو گئے اور تصوف کی طرف توجہ ہوئی، لیکن عامہ متصوفین کی صحبتوں کا جو رنگ ڈھنگ نظر آیا، اُس سے طبیعت اور زیادہ مکدر ہو گئی۔ بالآخر دمشق آئے اور امام ابن تیمیہ کی صحبت میں داخل ہوئے۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ جب پہلی مرتبہ صحبتِ درس میں حاضر ہوا تو عجیب اتفاق ہے کہ علم کلام ہی کی نسبت صحبت تھی۔ امام موصوف فرما رہے تھے "دنیا میں متکلمین و فلاسفہ سے بڑھ کر مضطرب و محروم و اطمینانِ قلب و سرورِ روح کی لذت سے یکقلم ناآشنا اور کوئی گروہ نہیں" پھر مشاہیر فلاسفہ قدماء و ارباب مقالات کے چند اقوال سنائے جن میں انہوں نے خود اپنے وجود پر مجہولیت و نامرادی اور بدحالی و بے بصیرتی کی شہادت دی ہے۔ اسی سلسلے میں امام رازی کے اشعار پڑھے کہ اُن کی مدت العمر کی کاوش و تعمق اور طلب و جستجو کا ماحصل یہ تھا:

لعمری لقد طفت المعاهد کلها ۔۔۔ وسیرت طرفی بین تلک المعالم

فلم أرا الا واضعا کف حائر ۔۔۔ علی ذقن، او قارعا سن نادم

(۱) قسم سے کہتا ہوں کہ تمام مقامات کا میں نے طواف کیا اور علم کی تمام جگہوں میں میری نظر نے چکر لگایا۔
(۲) مگر ہر جگہ میں نے دو ہی قسم کے لوگ دیکھے: حیرت سے انگشت بدنداں یا ندامت سے غرق عرق۔

اور کہا کہ بعضوں نے اپنی مدت العمر کے قیل وقال اور کیف ولما ذا کا حاصل یہ تبلایا ہے (در اصل اشعار بالا شہرستانی کے اور آتیہ امام رازی کے ہیں)

نهاية ارباب العقول عقال — واكثر سعي العالمين ضلال (۱)

ولم نستفد من بحثنا طول عمرنا — سوى ان جمعنا فيه قيل وقالوا (۲)

آخر میں ایک ایسے قاطع و ارفع طریق سے جو سارے شکوک مٹا دینے والا اور ساری بےچینیوں سے نجات دلا دینے والا تھا، ثابت کیا کہ جن لوگوں نے اپنی محرومی و محجوبیت اور کوری و مجہولیت پر خود یہ کچھ شہادتیں دی ہیں، بھلا اُن کی پیروی سے لب باب معرفت تک رسائی ہو سکتی ہے؟

قلت وما احسن قول الشاعر العارف:

آں لعل گراں بہا ز کان دگر است — واں درِ یگانہ را نشانے دگر است

اندیشۂ ایں واں خیال من و تست — افسانۂ عشق را بیانے دگر است

پس حقیقت وہی ہے جس کو وحی الٰہی اور حاملین منصب نبوت اور اُن کے اصحاب و اتباع نے دنیا کے آگے پیش کیا، اور شک و ظن کی ظلمت و محجوبیت کی جگہ علوم سماویہ و نبویہ کی یقینیات و براہین کا دروازہ نوع انسانی پر کھول دیا، اور جس کے علم و عمل کا نمونہ سلف صالح و اوائل امت مرحومہ تھے۔ من السابقين الاولين من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان" رضي الله عنهم ورضوا عنه۔ شیخ موصوف کہتے ہیں۔ اس ایک ہی صحبت میں

---

(۱) معقولات والوں کو نتیجہ میں بیڑیاں ملتی ہیں اور دنیا کی اکثر کوششیں گمراہی ہوتی ہیں۔

(۲) ہم نے اپنی پوری زندگی کی تحقیقات سے صرف یہ پایا کہ لوگوں کا قیل وقال جمع کر لیا۔

سارے پردے شکوک و اضطراب کے اٹھ گئے، اور میرے دل نے حلاوتِ ایقان و طمانیت کی لذت پائی۔ میرا دل بے اختیار پکار اٹھا جس نورِ حقیقت کی جستجو میں سرگردان و حیران ہوں اُس کی شعاعیں امام ابن تیمیہ کے ناصیۂ امامت پر چمک رہی ہیں۔ جب وہ میرے حالات پر مطلع ہوئے تو وصیت کی کہ ساری چیزیں چھوڑ کر صرف سیرت نبویہ کے مطالعہ اور تدبر و تفکر کو اپنے اوپر لازم ٹھہرا لو۔ یقین اور ایمان کی تمام بیماریوں کے لئے یہی ایک نسخہ کافی ہے۔ چنانچہ میں نے یہ وصیت حرزِ جاں بنائی، اور جو کچھ پایا اسی کے وسیلہ سے پایا۔

شیخ موصوف نے صرف سیرت طیبہ کے مطالعہ ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ کمالِ شغف و ربط قلب سے اس باب میں بعض مفید تالیفات بھی کیں۔ ازاں جملہ سیرت ابن اسحاق کا خلاصہ ہے جس کی حافظ ذہبی نے بہت تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ گو ماخوذ اُس کا تہذیب ابن ہشام ہے لیکن حسن تبویب و اضافۂ فوائد کے لحاظ سے مستحق ترجیح ہے۔

فصل

شیخ عماد الدین واسطی (رح) نے امام موصوف کی جس صحبت کا ذکر کیا ہے تو یہ بحث منجملہ اُن اہم ترین مباحث شریعت اور دقیق ترین معارف کتاب سنت کے ہے جن کی کشف و تحقیق اور بحث و تنقیب امام ابن تیمیہ کے حصے میں آئی۔ حقیقت اگرچہ سلف کے یہاں حالاً و عملاً بحد کمال موجود تھی، لیکن قولاً و علماً اُس کو منتہا درجہ بحث و تحقیق تک پہنچا دینا اور بطریق جوامع و قواعد اُس کا اثبات کرنا اور اس درجہ منقح و صاف کر دینا کہ لو کشف الغطاء ما ازددت یقیناً

کا جملہ اُس پر صادق آئے، تو یہ فضل مخصوص صرف امام موصوف اور اُن کے اصحاب و تلامذہ ہی کے حصہ میں آیا۔ اسی لئے امام ذہبی نے کہا "و لقد نصر السنۃ المحضۃ والطریقۃ السلفیۃ واحتج لھا ببراھین ومقدمات وامور لم یسبق الیھا و اطلق عبارات احجم عنھا الاولون والآخرون"[1] اور اسی لئے اُن کا مرتبۂ تجدید اور فاتحیت تمام مجددین و فاتحین اعصار او اخر میں سب سے بالاتر و ارفع واقع ہوا۔ کیونکہ اکثر مجددین امت کی تجدید و دعوت متعلق اعمال و فروع کے ہے، لیکن امام موصوف کی تجدید براہ راست علوم و عقائد و اصول و اساسات شریعت سے متعلق ہوئی۔ پس جو نسبت اصل و فرع میں ہے، وہی نسبت اُن کے مرتبۂ تجدید اور مجددین متاخرین اُمت کے مراتب میں سمجھنی چاہیئے۔ اسی لئے گو اُن کا ظہور دور متاخرین میں ہوا، لیکن بہ لحاظ مرتبہ و معنویۃ کے داخل صفوف اوائل و اسلاف اُمت و مصداق صحیح و اخرین منھم لما یلحقوا بھم ہوئے۔ اور پھر اسی لئے سلسلۂ اصلاح و تجدید اُمت میں اُن کی دعوت خلف کے لئے واسطۃ العقد کا برزخ واقع ہوئی جو خلف کو سلف سے جوڑتی اور اواخر پر اوائل کے فیضان و برکات کا دروازہ کھولتی ہے۔ وما احسن ما قال الشیخ بدر الدین بن عز المغلیثی فی رثائہ۔ رحمۃ اللہ علیھما:

فلئن تاخر فی القرون لثامن فلقد تقدم فی العلوم امام![2]

(۱) خالص سنت اور طریق سلف کی نصرت، وحمایت کی اور ایسے دلائل و براہین و مقدمات سے کام لیا کہ کبھی کسی کو نہ سوجھے تھے اور ایسی عبارتیں استعمال کیں کہ اگلے پچھلے اُن کے استعمال سے جھجکتے تھے۔

(۲) اگر اسے اوائل میں ہونے کی فضیلت حاصل نہیں ہوئی بلکہ آٹھویں صدی میں پیدا ہوا ہے تو اس سے کوئی حرج نہیں جبکہ وہ علوم و فنون میں پیش قدمی کر گیا ہے اور امام ہے۔

بہرحال اصحاب تاویل ورائے اور متکلمین واتباع فلاسفہ کی بے حاصلی ونامرادی، اور سلف اُمت واصحاب تفویض کے مذہب حق وطریق حکمت اور عقلیات صادقہ کے اثبات ونصرت میں امام ابن تیمیہ کے مباحث ومقالات اور براہین قواطع کا عالم ہی دوسرا ہے، اور افسوس امت کی محرومی ودرماندگی پر کہ صدیوں سے یہ خزائن معارف وکنوز حقایق موجود ہیں مگر کوئی اُن کا شناسا وعارف پیدا نہ ہوا۔ ہمیشہ غفلت وجہل اور تعصب وجمود کی تاریکیوں میں مدفون ومجہول رہے۔ وھٰذہ لیست اول قارورۃ کسرت فی الاسلام۔ وکم من نوبۃ قد رموا الحق والعلم عن قوس واحدۃ! علی الخصوص آجکل مسلمانوں میں جس فتنۂ عقائد نے سر اٹھایا ہے، اور بحکم بل قالوا مثل ما قال الاولون(۱) وہ تمام فتنے اکٹھے ہوکر پلٹ آئے ہیں جو عقاید اسلامیہ کے مختلف دوروں میں فرداً فرداً ظاہر ہوئے تھے، اس کے لحاظ سے تو معارف ابن تیمیہ سے بڑھکر اور کوئی چیز مطلوب ومقصود وقت نہیں۔ البتہ ضرورت بہت کچھ اضافۂ مطالب، وتفصیل اجمال، وتوضیح اشارات، وضبط وتالیف اشتات وانتشار کی ہے، اور اس کا بہترین محل وموقعہ امام ابن تیمیہ اور اُن کے اصحاب وتلامذہ کی سیرت میں مل سکتا ہے۔ اس چیز کا خیال عرصے سے تھا۔ لیکن یہ سطور لکھتے ہوئے بے اختیار اس کام کی طرف دل مائل ہو رہا ہے۔ اگر تفسیر کے سلسلے سے ذرا بھی مہلت نکلی تو انشاء اللہ سیرت ابن تیمیہ کی ترتیب پر متوجہ ہونگا۔ باقی رہا اصل مبحث تو الحمد للہ تفسیر البیان میں بہ تحت سورۂ بقرہ نہایت شرح وبسط سے لکھا جا چکا ہے، اور جستہ جستہ دیگر مقامات تفسیر میں بھی اسکی تحقیق

---

(۱) جیسا اگلوں نے کہا تھا ویسا ہی انہوں نے بھی کہا۔

وتوضیح ہوچکی ہے، اس موضوع پر بعض دیگر تالیفات بھی پیش نظر ہیں۔ لیکن ابھی یہی کس کو معلوم ہے کہ یہ تمام اوراقِ پریشان جن کو بلا فکر مآل و مستقبل لکھتا جاتا ہوں، اور (بقول ابن تیمیہ) اُس شخص کی طرح جو اپنے آتش زدہ مکان کا سامان جلد جلد کھڑکی سے باہر پھینک رہا ہو، باوجود ہجوم نوازل، وانبوہِ زلازل، واحاطۂ حوادث، وتشتتِ بال، وبے سروسامانی حال جس قدر بھی فراغِ خاطر ساتھ دیتا ہے، صحبت قرطاس وقلم وتسوید واردات وافکار میں کمی نہیں کرتا، کبھی جمعیت وترتیب اور صورت انطباع واشاعت بھی نصیب ہوگی یا نہیں؟ البتہ مزدور کا کام محنت ہے، اور پاکر کا کام چاکری۔ بعد کی فکر نہ ہم کو کرنی چاہئے اور نہ کرنے سے کچھ حاصل:

که خواجہ خود روش بندہ پروری داند!

شیخ واسطی نے امام موصوف کے جو اشارات مشکلین وارباب تاویل کے باب میں نقل کئے ہیں، اُن کو زیادہ تفصیل کے ساتھ اُنہوں نے اپنے مشہور مقالہ عقیدۃ الحمویہ میں لکھا ہے۔ یہ وہی تحریر ہے جس کی بنا پر سب سے پہلے امام موصوف کے خلاف علماء سوء نے فتنہ اٹھایا اور ربیع الاول ۶۹۸ھ میں مبتلائے محن وآلام ہوئے۔ یہ رسالہ مصر میں دو بار چھپ چکا ہے۔ علامہ سفارینی نے کہ گیارہویں صدی کے کبار اصحاب اثر واعاظم حماتِ طریق سلف میں سے ہیں، ایک ضخیم مجلد میں اُس کی شرح بھی لکھی ہے، اور اُن طالبانِ حق وجویانِ حقیقت کے لئے جن کے امراض قلب واعتقاد کو علامہ نسفی وتفتازانی ودوانی (رحمہم اللہ) کی شفاخانوں سے شفا نہ ملی ہو اکسیر اعظم وتریاقِ مجرب و شفاء لما فی الصدور کا حکم رکھتی ہے

ففیہ ما تشتھیہ الانفس وتلذ الاعین:

سرِ خدا کہ عارف و زاہد کسے نہ گفت　　　　در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید !

فصل

بہرحال اس واقعہ میں قابل غور وہ عشق و شغف ہے جو امام موصوف کو خصوصیت کے ساتھ سیرت نبویہ سے تھا۔ ایک سرسری نظر رکھنے والا تو اس واقعہ کو معمولی سی بات سمجھکر معرضانہ آگے بڑھ جائیگا۔ لیکن صاحب نظر و بصیرت اسی ایک بات سے امام موصوف کے تمام علوم و اعمال کا محور و مرکز معلوم کرلے سکتا ہے۔

انہوں نے ایک ایسے صاحب علم مگر مریض شک و اضطراب کو جو مدعیان علم و حکمت کی دانش فروشیوں کے ہاتھوں اپنا یقین و اطمینان ضائع کرچکا تھا، یہ وصیت کی کہ ساری چیزیں چھوڑ کر صرف حیات طیبۂ نبوت کے مطالعۂ و تفکر میں لگ جاؤ گویا اس طرح بتلادیا کہ علم و بصیرت کا سرچشمہ حیاتِ نبوت اور منہاج مقام رسالت ہے۔ جس کو قرآن حکیم نے " الحکمۃ " کے لفظ سے تعبیر کیا ہے: ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا (۱) یہی " خیر کثیر " مبدء جمیع خیرات و برکات ارض و نوع ہے، اور صرف اسی نسخۂ شفا سے دل اور روح کی ساری بیماریاں دور ہوسکتی ہیں۔ خواہ شکوک و ارتیاب کی بیماری ہو، خواہ اوہام و انکار کی۔ خواہ ادعا، ادریت کا ہیجان ہو، خواہ حیرانی و سرگردانی لاادریت کا خما

---

(۱) جسے حکمت ملی ہے اُسے بہت بھلائی بھی مل گئی ہے۔

زہرِ مرض کہ بنا لدکسے، شرابِ وحید!

باقی یا تو اسما، مختلف ہیں اور مسمیٰ وہی ایک ہے۔ مثلاً "سنت و سیرت" کی جگہ "قرآن و کتاب" کا لفظ بولدیا جائے کہ نام دو ہو گئے مگر حکایت شہد و عسل سے زیادہ نہیں۔ دلالت و تسمیہ میں تعدد ہوا۔ نہ کہ مدلول و مسمیٰ میں۔

عبارا تنا شتّے وحسنک واحد!

یا پھر اُسی نسخہ کے اجزا و توابع جیسے آثار و سیرت صحابہ و سلف امت کہ گو اشکال و اسما میں تفرقہ و امتیاز ہوا، مگر بحکم "علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین" اور "و آخرین منہم لما یلحقوا بہم" اور "فاولٰئک مع الذین انعم اللہ علیہم الخ" اور "ما انا علیہ و اصحابی" معنیً و حکماً جز، و کل، اصل و فرع، مصدر و مشتق، یا شمس و کواکب کا سا معاملہ واقع ہوا ہے۔ روشنی صرف ایک ہی ہے اور ایک ہی کی ہے۔ اگرچہ چاند سے بھی مل جائے اور چمکیلے ستاروں سے بھی:

بحر یست متحد کہ باشکال مختلف ۔۔۔ باران و قطرہ و صدف و گوہر آمدہ

مشتق چو نیک در نگری عین مصدر یست ۔۔۔ کیں در صفات ظاہر خود مضمر آمدہ

و یقرب من ھذا ما قیل بالعربیۃ:

وما البحر الا الموج لا شیٔ غیرہ ۔۔۔ وان فرقتہ کثرۃ المتعدد!

اور اگر یہ دونوں صورتیں بھی نہیں، تو پھر جو کچھ ہے، نہ تو عرفان ہے، نہ شفا، بلکہ خود جہل ہے اور مرض۔ اگرچہ افسوس کہ اس دنیا میں زیادہ حصہ انہی مریضوں کا بستا ہے جنہوں نے ہمیشہ

طلبِ مرض کو طلبِ شفا سمجھا ہے، اور سمِّ قاتل سے اُمیدِ حیات رکھی ہے! اور پھر یاد رہے کہ یہی معنی ہیں سلف کے اس قول کے کہ علم نہیں ہے مگر وہ جس میں حدثنا اور اخبرنا ہو۔ یہاں مقصود علم سے علم مصطلحۂ شرع ہے نہ کہ لغت کما قال الشافعی رضی اللہ عنہ:

کل العلوم سوی القرآن مشغلة — الا الحدیث والا الفقه فی الدین(۱)

العلم ما کان فیه قول حدثنا — وما سوا ذاك وسواس الشیاطین(۲)

اور یہی معنی ہیں اِس قولِ نبوی صلعم کے کہ علم صرف تین ہیں۔ ماسوا ان کے جو کچھ ہے فضل ہے۔ آیۃ محکمۃ، سنۃ قائمۃ، فریضۃ عادلہ۔ اور یہ منجملہ جوامع الکلم نبویہ کے ہے۔ وقدس اللہ روح القائل وهو حجة الاسلام ابن قیم اذ یقول فی النونیة الکبریٰ:

العلم قال الله قال رسوله — قال الصحابة هم اولو العرفان(۳)

ما العلم نصبك للخلاف سفاهة — بین الرسول وبین رای فلان(۴)

کلا ولا عزل النصوص وانها — لیست تفید حقایق الایمان(۵)

اذ لا تفید کم یقیناً لا، ولا — علماً، فقد عزلت عن الایقان(۶)

---

(۱) قرآن، حدیث اور تفقہ فی الدین کے سوا تمام علوم خدا سے غافل کرنے والے ہیں۔

(۲) علم وہی ہے جس میں "حدثنا" آئے (یعنی علم حدیث) اس کے سوا جو کچھ ہے شیطان کا وسوسہ ہے۔

(۳) علم وہی ہے جو اللہ کا قول ہے، اُس کے رسول کا قول ہے، صحابہ کا قول ہے کہ جو حقیقتاً اہل معرفت تھے۔

(۴) علم یہ نہیں ہے کہ تو حماقت کی راہ سے رسول کے مدِ مقابل زید، عمر، بکر کی رائے کھڑی کرے۔

(۵) ہرگز نہیں، اور نصوص شرعیہ کا معطل کر دینا کہ جس سے ایمان کے حقائق حاصل نہیں ہو سکتے۔

(۶) کیونکہ اگر ان نصوص سے تمہیں علم یقینی حاصل نہیں ہوتا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ یقین دلانے کے منصب کی اہل نہیں رہیں۔

والعلم عندکم ینال بغیرھا ... بزبالة الافکار والاذھان[1]

سمیتموہ قواطعاً عقلیة ... نفی الظواھر حاملات معان[2]

کلا، ولا احصاء اراء الرجا ... ل وضبطھا بالحصر والحسبان[3]

کلا ولا التاویل والتبدیل والتحریف للوحیین بالبھتان[4]

کلا ولا الاشکال والتشکیک والوقف الذی مافیہ من عرفان[5]

ھذی علومکم التی من اجلھا ... عادیتمونا یا اولی العدوان[6]!

وقال الشیخ الاکبر من جملة ابیات افتتح بھا الباب الثامن وثلاث مائة من الفتوحات:

کل علم یشھد الشرع لہ ... فھو علم نبہ فلتعتصم[7]

فاذا خالفہ العقل فقل ... طورك الزم مالکم فیہ قدم[8]

---

(۱) تمہارے ہاں علم ان نصوص سے نہیں بلکہ افکار و اذہان کے کوڑہ کرکٹ سے حاصل کیا جاتا ہے۔

(۲) تم نے اُس کا نام "قواطع عقلیہ" رکھ چھوڑا ہے، حالانکہ اُس کی حقیقت یہ ہے کہ ظاہر کی نفی اور طرح طرح کے معانی کا احتمال۔

(۳-۴-۵) یہ علم ہرگز نہیں اور نہ لوگوں کے آرا کا احصار و شمار، اور نہ قرآن و حدیث کی تاویل و تبدیل و تحریف اور نہ تشکیک و مغالطہ ہی علم ہے۔

(۶) لیکن یہی وہ تمہارے علوم ہیں جن کی وجہ سے اے "اصحاب علم" تم نے ہم سے دشمنی ٹھانی ہے!

(۷) جس علم کی شہادت شرع نے دیدی تو اسے مضبوطی سے پکڑ لے۔

(۸) اگر عقل اُس کی مخالفت کرے تو اُس سے صاف کہدے کہ اپنی جگہ پر رہ، تجھے یہاں رسائی نہیں۔

اور سبب اس کا ظاہر ہے۔ قلب و روح کی جتنی بیماریاں بھی ہیں، اصل مبدأ ان کا دو قسموں سے باہر نہیں۔ ایک قسم مرض کا نام الحاد و انکار ہے۔ دوسری کا توہم و سوفسطائیت باقی تمام بیماریاں اسی کے اتباع و عوارض و فروع ہیں۔ اور دونوں قسموں میں ظہور مرض کے علائم و آثار و عواقب مشترک ہیں۔ یعنی دونوں کا نتیجہ شک و جہل و اضطراب، اور فطرت کی طمانیت اور سرور و راحتِ قلبی کا ازالہ۔ یعنی باصطلاح قرآن حکیم "نفس مطمئنہ" کا فقدان۔ پس مرض بلحاظ علت و ظہور ہر حال میں صرف یہی ہوا کہ شک و ظلمت۔ اور اس عالم میں وحی الٰہی اور حکمتِ نبوت اور اُن سے ماخوذ و مکتسب کے علاوہ جو کچھ ہے "یقین، برہان، بصیرت" اور "فرقان" نہیں ہے۔ شک و ظن ہے۔ عدم علم و بصیرت ہے۔ یا تخمین و رائے اور تلعّب و تخرّص بالریب ہے۔ مالھم بذٰلک من علم ان ھم الا یظنون[1] اور بل ھم فی شک یلعبون[2]۔ اور ومن الناس من یجادل فی اللہ بغیر علم ولا ھدی ولا کتاب منیر ثانی عطفہ لیضل عن سبیل اللہ[3] (حج) اور ھل عندکم من علم فتخرجوہ لنا[4]؟ اور افمن کان علی بینۃ من ربہ کمن زین لہ سوء عملہ واتبعوا اھواءھم[5]؟ (محمد)

---

(۱) انہیں اس کا ذرا بھی علم نہیں، وہ تو صرف گمان رکھتے ہیں (۲) بلکہ وہ شک میں کھیل رہے ہیں۔

(۳) ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ کے باب میں بغیر کسی علم، ہدایت اور کتاب منیر کے حجت کرتے ہیں، نخوت سے روگردانی کرتے ہیں کہ خدا کے راستہ سے بھٹکائیں۔

(۴) اگر تمہارے پاس کوئی علم ہے تو نکال کے ہمیں بتاؤ۔

(۵) کیا وہ جو اپنے رب کی طرف سے روشنی پر ہے اُس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جس کی نظر میں بدعملی سنور گئی ہے اور اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے؟

اور ما لھم بہ من علم ان یتبعون الا الظن وان الظن لا یغنی من الحق شیئاً(۱) (النجم) اور قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ، علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی(۲) (اخر یوسف) اور بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ ولما یاتھم تاویلہ (یونس) ما تعبدون من دونہ الا اسماء سمیتموھا انتم وآباؤکم ما انزل اللہ بھا من سلطان ان الحکم الا للہ(۳) (یوسف) وغیر ذلک من الایات والقواطع۔ اور اسی لئے دعوت خاتم الادیان ومکمل الشرائع کی نسبت اکثر خطبات نبویہ میں یہ اعلان عام پاتے ہو کہ اُس کا ظہور کرۂ ارضی کے کمال جہل وفقدان علم کے وقتوں میں ہوا۔ یعنی اس لئے ہوا تاکہ علم ونور سے دنیا کو بھرپور کردے، اور علم ونور نہیں ہے مگر یقین اور زوال شک وریب۔ علی الخصوص اولین خطبۂ جمعہ بالمدینہ میں فرمایا: "ارسلہ بالھدی والنور والموعظۃ، علی فترۃ من الرسل، وقلۃ من العلم، وضلالۃ من الناس(۴)" الخ اخرجہ الحاکم علی شرط الصحیحین والطبری فی تاریخہ۔ پس ظاہر ہے کہ جن نام نہاد علوم کا ماحصل خود ظلمت ظن وشک اور کوری وہم ورائے سے زیادہ نہیں، وہ مریضان یقین واعتقاد کے لئے کیونکر نسخۂ شفا ہوسکتے ہیں؟ اور جو

---

(۱) انہیں اس کا کچھ بھی علم نہیں، صرف گمان پر چلتے ہیں، حالانکہ گمان ذرا بھی حق کے معاملہ میں مفید نہیں۔

(۲) اے رسول کہدے یہ ہے میری راہ، میں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ میں اور میرے پیرو بصیرت پر ہیں۔

(۳) تم جن چیزوں کی عبادت کرتے ہو محض نام ہیں جو تم نے اور تمہارے بزرگوں نے رکھ لئے ہیں، خدا نے انکی کوئی دلیل بھی نہیں اتاری، حکومت صرف اللہ کے لئے ہے۔

(۴) خدا نے اپنا رسول ہدایت، نور اور موعظت کے ساتھ بھیجا اُس وقت جبکہ رسولوں کا سلسلہ ٹوٹ چکا تھا، علم کم ہوگیا تھا اور مخلوق گمراہ ہورہی تھی۔

خود سرگشتۂ راہ اور واماندۂ کار ہے، وہ دوسرے گم کردہ راہوں کی کیا رہنمائی کرسکتا ہے؟

جوہر طینتِ آدم زخمیرِ دگر ست

تو توقع زگلِ کوزہ گراں می داری

بل ھم فی شك منھا، بل ھم منھا عمون[۱] (نمل) مرض کا ازالہ دوا سے ہوسکتا ہے نہ کہ خود تولید مرض سے۔ اگر دنیا کا اصلی مرض "یقین" اور "بصیرت" سے محرومی ہے اور شک و گمان کی ہلاکت، تو اس کا علاج وہ کیونکر کرسکتے ہیں، جن کا خود اعلان یہ ہے کہ ہمارا منتہائے فکر و ادراک اس سے زیادہ نہیں کہ "لا ادری ولا اعلم" ہم نہیں جانتے اور نہیں کہہ سکتے کہ کیا ہے اور کسلئے ہے؟ یعنی بحکم و شھدوا علیٰ انفسھم وہ خود اپنے منتہائے معرفت کو جہل سے زیادہ نہیں تبلاتے:
ان نظن الا ظنا وما نحن بمستیقنین[۲]"

معلوم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد!

اس کا علاج اور نسخۂ شفاء لما فی الصدور تو صرف اُسی اعلم الخلایق و اعرف العباد کے دار الشفاء وحی میں مل سکتا ہے جو شک کی جگہ یقین کا، ظلمت کی جگہ نور کا، عدمِ علم کی جگہ علم و بصیرت کا، ظن و قیاس کی جگہ بینۂ حجت کا، برہان و فرقان کا، اور تبیانا لکل شیئ اور عروۃ الوثقیٰ کا، غرضکہ "لا ادری" اور "لا اعلم" کی جگہ "انی اعلم" اور "انی علیٰ بینۃ من ربی" اور "انی اشھد" بلکہ "رأیت و سمعت" کا دعوا اور اعلان کر رہا ہو، اور تمام

---

(۱) بلکہ وہ اس کی طرف سے شک میں ہیں، بلکہ وہ اس کی طرف سے کور ہی ہیں۔

(۲) ہمارا محض گمان ہی گمان ہے، ہمارے پاس یقین نہیں ہے۔

نوعِ بشر کو یہ کہکر بلا رہا ہو: ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا و من اتبعنی!
اور تمام منکرین و جاحدین سے بار بار مطالبہ کرتا ہو: ھل عندکم من علم فتخرجوہ لنا؟ یعنی یہ
علم و یقین اور خروج من ظلمات الجھل الی نور المعرفۃ والحقیقۃ کی راہ ہے جسکی طرف
میں تمہیں بلا رہا ہوں پھر تمہارے پاس بھی کوئی "یقین" اور "علم و بصیرت" ہے جسے دنیا کو آگے
پیش کر سکتے ہو؟ فھل یستوی الاعمیٰ والبصیر؟ اور وھل یستوی الذین یعلمون
والذین لا یعلمون(۱)؟ ایک کہتا ہے میرے پاس شک ہے، اگر تم میری طرف آؤ، تم کو
شک سے معمور کر دونگا۔ دوسرا کہتا ہے میرے پاس جو کچھ ہے بجز یقین اور برہان کے اور کچھ
نہیں۔ لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ۔ تنزیل من حکیم حمیـــد
(حم سجدہ) اور بل ھو ایات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم (عنکبوت)
میں بصیرت ہوں۔ دعوتِ علم ہوں۔ پیامِ حجت و برہان ہوں۔ حقیقت جو ایک سے زیادہ
نہیں ہو سکتی، اُس کی ایک ہی راہ ہوں۔ اقوم الطرق، اوضح السبل، صراط السوی: ان ھذا
صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ(۲)۔ پھر بتلاؤ، دنیا
کو جو طمانیت و اقرار کی بھوکی پیاسی اور شک و اضطراب نفس کے زخموں سے جاں بلب ہے،
کس کا ساتھ دینا چاہئے؟ اُس کا ساتھ دینا چاہئے جو خود شک و فریب کی تاریکیوں میں ٹھوکریں
کھا رہا ہے۔ ایک تاریکی سے نکلنے کے لئے دوسری تاریکی میں ڈوبتا ہے، اور تاریکیوں کا یہ حال ہے

(۱) کیا بینا اور نابینا برابر ہیں؟ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہیں؟

(۲) میری یہ راہ سیدھی ہے پس اسی پر چلو اور راستوں پر نہ چلو کہ تمہیں خدا کے راستہ سے بھٹکا دیں۔

کہ خود اپنا ہاتھ بھی سوجھائی نہیں دیتا۔ ایک گتھی سلجھانا چاہتا ہے تو دس نئے الجھاؤ رشتۂ ادراک میں پڑ جاتے ہیں: کظلمات فی بحر لجی یغشاہ موج من فوقہ موج من فوقہ سحاب ظلمات بعضہا فوق بعض! اذا اخرج یدہ لم یکد یراھا۔ ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً فما لہ من نور[1] (نور) اور جس کی اُن ساری کوششوں اور طلب جستجو کا جو حقیقت تک پہونچنے اور عقدۂ ہستی حل کرنے کے لئے کرتا ہے، یہ حال ہے کہ ہر نیا مرحلہ ایک نئی گمرہی کا پیام اور ہر نئی منزل ایک نئے بعد و گم گشتگی کی مایوسی ہے۔ جس نظریہ پر رکتا اور فاتح کار سمجھکر پوجتا ہے، جب اُس تک پہونچتا ہے تو یقین کی جگہ ایک نئے شک کی دعوت نکلتی ہے، اور جواب کی جگہ وہ خود ایک نیا سوال ہوتی ہے، اور اس طرح اُس کی ساری امیدیں اور ساری خوشیاں اُس پیاسے کی امید سے زیادہ ثابت نہیں ہوتیں جو ریگستانِ افریقہ کو دجلہ و فرات سمجھکر بے تحاشا دوڑ رہا ہو: کسراب بقیعۃ یحسبہ الظمآن ماء، حتی اذا جاءہ لم یجدہ شیئاً[2] (نور) پس کیا کھوئے ہوؤں کو طلبِ دلیل و ہدایت میں اپنے ہی جیسے کھوئے ہوؤں کا دامن پکڑنا چاہیئے؟ ضعف الطالب والمطلوب[3] (حج) اور لبئس المولیٰ ولبئس العشیر[4]

---

(۱) مانند تاریکیوں کے ایسے بحر زخار میں جس میں ایک موج پر دوسری چڑھ رہی ہو اور اوپر بادل چھائے ہوں، تاریکیوں پر تاریکیاں! اگر آدمی اپنا ہاتھ نکالے تو نہ دیکھ پائے، جس کے لئے خدا نے نور نہیں کیا اُس کے لئے کوئی نور نہیں۔

(۲) جیسے چلکتی ہوئی ریت چٹیل میدان میں کہ پیاسا اُسے پانی خیال کرتا ہے یہاں تک کہ جب اُس کے پاس آتا ہے تو اُسے کچھ بھی نہیں پاتا۔

(۳) طالب اور مطلوب دونوں کمزور (۴) کارساز بھی برا اور رفیق بھی برا۔

(ج) یا پھر اُس کا ساتھ دینا اور بلا چون وچرا سمع والطاعت کا سر جھکا دینا چاہئے جس کی ساری پکار اور سارے پیاموں کی بنیاد ہی یہ ہے کہ میں ظلمت نہیں سرتا سر نور ہوں۔ میں تاریکی میں اِدھر اُدھر بھٹکنے والا قدم اور خود اپنے ہاتھ کو بھی نہ دیکھ سکنے والی آنکھ نہیں ہوں، بلکہ معرفت وشہادت کا اُجالا ہوں، نورانیت میں بے خوفِ لغزش وبے خطرۂ گمرہی قدم ہوں، اور دوپہر کی چمکیلی روشنی میں ایک ایک ذرہ تک دیکھ لینے اور پا لینے والی بینائی ہوں" السھلۃ الحنفیۃ والمحجۃ البیضاء۔ لیلھا کنھارھا"[۱] یہاں ظلمات بعضھا فوق بعض کا معاملہ نہیں ہے، بلکہ یمین ویسار، بالا وپست، اور بین یدیہ وخلفہ بجز نور اور نورٌ علیٰ نور کے اور کچھ نہیں ہے۔ وکان من دعائہ صلعم باللیل "اللھم اجعل فی قلبی نورا، وفی لسانی نورًا، واجعل فی سمعی نورًا، واجعل فی بصری نورا، واجعل من خلفی نورًا، ومن امامی نورًا، واجعل لی من فوقی نورًا، ومن تحتی نورًا، اللھم اعطنی نورًا"[۲] (مسلم) نہ میری حقیقت میں آنکھ کے لئے زیغ ہے، نہ منزل شناس قدم کے لئے ٹھوکر: مازاغ البصر وما طغیٰ۔ لقد رای من ایات ربہ الکبریٰ[۳]۔ اور حدیثِ انس کہ "والذی نفسی بیدہ، لقد عرضت علی الجنۃ والنار آنفًا

---

(۱) آسان دینِ حنیف اور صاف شفاف راہ، اُس کی رات بھی اُس کے دن کی طرح روشن۔

(۲) رسول اللہ صلعم رات میں یہ دعا مانگا کرتے تھے: خدایا! میرے دل میں نور ہو، میری زبان میں نور ہو، میرے کانوں میں نور ہو، میری آنکھوں میں نور ہو، میرے آگے نور ہو، میرے پیچھے نور ہو، میرے اوپر نور ہو، میرے نیچے نور ہو، خدایا! مجھے نور ہی نور عطا فرما!"

(۳) نہ نگاہ بھٹکی نہ اچٹی، بلکہ پیغمبر نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

فی عرض ھذا الحائط وانا اصلی[1]" (بخاری) اور حدیثِ اسماء بنت ابی بکر اور خطبۂ صلوٰۃِ کسوف کہ "ما من شیئٍ لم ارہ الا وقد رأیتہ فی مقامی ھذا حتی الجنۃ والنار واوحیَ الیَّ انکم تفتنون فی القبور[2]" الخ رواہ البخاری اور "ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی[3]" رواہ الاربعۃ۔ اور ان سب سے بڑھکر یہ کہ "اتانی ربی فی احسن صورۃ[4] (وفی روایۃ اتانی اللیلۃ ربی) فقال فیم یختصم الملاء الاعلیٰ فقلت لا ادری فوضع کفہ بین کتفی حتے وجدت بردانا ملہ بین ثدیی وتجلی لی علم کل شی" اخرجہ جماعۃ منھم احمد والترمذی وصححوہ۔ جس حقیقت ہزار حجاب کا ایک سچا یا کم از کم سچائی سے قریب تصور بھی تم سے بن نہ آیا، میں نہ صرف اس کا سراغ ہی رکھتا ہوں، بلکہ وہ تو میری دیکھی بھالی اور میرے سامنے کی مشہود و منظور ہے "حتی وجدت بردانا ملہ بین ثدی"! اس کی انگلیوں سے چھونے کی ٹھنڈک اپنے سینہ پر محسوس کر رہا ہوں۔ اس کے بعد اور کیا رکھا ہے؟

---

(۱) قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ابھی ابھی اس دیوار پر میں نے نماز پڑھتے ہوئے جنت اور دوزخ دیکھی ہے۔

(۲) جو کچھ میں نے نہ دیکھا تھا وہ سب ابھی یہاں دیکھ لیا حتی کہ جنت اور دوزخ بھی، اور تمہارے رب نے مجھے وحی کی ہے کہ لوگوں کی قبر میں آزمائش کی جائے گی۔

(۳) میں اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

(۴) میرا رب میرے پاس بہترین صورت میں آیا اور فرمانے لگا کہ بتا ملاء اعلیٰ میں کس بات پر تکرار ہو رہی ہے؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا۔ اس پر اس نے اپنی ہتیلی میری پیٹھ پر رکھی یہاں تک کہ اس کے انگلیوں کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینہ میں محسوس کی، اور ہر چیز کا علم مجھ پر کھل گیا۔

جمالك فی عینی وحبک فی قلبی ، وذکرك فی فمی ، فاین تغیب[1]؟

تم نے اپنی درماندگیوں سے عاجز آکر اس کا نام ہی مافوق ادراک اور غیب رکھدیا ہے حالانکہ یہاں تو اسکی مشہودیت کا یہ حال ہے کہ اس کا ذکر ہی "شہادت" کے لفظ سے کیا جاتا ہے جس کے معنی حضور و رویت کے ہیں : شهد الله انه لا اله الا هو والملائكة ، واولوا العلم قائماً بالقسط[2] (عمران) تم اس کی طلب و جستجو کو گمان و خیال اور قیاس و ظن سے تعبیر کرتے ہو کہ اس سے آگے تمہارا قدم نہیں بڑھتا : ذلك ظن الذين كفروا حالانکہ یہاں ظن و گمان کا کیا ذکر؟ ظن کو تو یہاں زندگی (ہدایت) کے دائرے ہی سے خارج اور موت (کفر) کا ہمنشین سمجھا جاتا ہے ۔ یہاں تو اُس کی نسبت جو کچھ کہا اور سمجھا جاتا ہے ، اُسکا نام ہی "ایمان" اور "ایقان" ہے ۔ یعنی عدم شک اور یقینِ صرف و بحت : يقولون ربنا آمنا فاكتبنا مع الشاهدين ، وما لنا لا نؤمن بالله وما جاءنا من الحق ونطمع ان يدخلنا ربنا مع القوم الصالحين[3] ! (مائدہ) امن هو قانت آناء الليل ساجداً او قائماً ، يحذر الآخرة ويرجو رحمة ربه ،

---

(۱) تیرا حسن میری آنکھوں میں ہے ، تیرا عشق میرے دل میں ہے ، تیرا ذکر میرے منہ میں ہے ، پھر تو کہاں غائب ہوسکتا ہے ؟

(۲) اللہ نے گواہی دیدی ہے اور اُس کے ملائکہ نے اور اہل علم نے کہ بجز اُس کے کوئی معبود نہیں (اور وہی) عدل کے ساتھ قائم ہے ۔

(۳) وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے پس ہمیں شاہدین کے گروہ میں لکھ ، اور ہم کیوں نہ اللہ پر اور اُس حق پر جو ہمارے پاس آیا ہے ایمان لائیں اور اس بات کی لالچ کریں کہ ہمارا رب ہمیں صالح لوگوں کے زمرہ کے ساتھ کر دے ۔

قل ھل یستوی الذین یعلمون و الذین لا یعلمون ؕ انما یتذکر اولوا الباب[1]

(زمر) غرضکہ جس کا حال یہ ہو کہ و ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ[2] اُس کا سا

نہ ہو کہ یجادلون فی ایات اللہ بغیر سلطان (مومن) اور بغیر علم ولا ھدی

ولا کتاب منیر (حج) تو کیا صرف وہی اکیلا نہیں ہے جس کی راہ دنیا کے لئے امن وسلامتی کی

راہ ہے اور جس کے ساتھیوں کے لئے نہ تو کبھی شک کی بے چینی ہے نہ جہل و ظلمت کا ہراس :

لا یمسنا فیھا نصب و لا یمسنا فیھا لغوب[3] یہی معنی ہیں ان ایات کریمہ کے او من

کان میتا فاحییناہ و جعلنا لہ نورا یمشی بہ فی الناس کمن مثلہ فی الظلمت

لیس بخارج منھا[4] ؟ (انعام) اور افمن یمشی مکبا علی وجھہ اھدی امن یمشی

سویا علی صراط مستقیم[5] ؟ (ملک) اور افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام

فھو علی نور من ربہ فویل للقاسیۃ قلوبھم من ذکر اللہ[6] (زمر)

---

(۱) بھلا جو شخص رات کے اوقات میں بندگی میں لگا ہے، کبھی سجدہ کرتا ہے کبھی کھڑا ہوتا ہے، آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کی امید کرتا ہے (کہیں وہ نافرمانوں کے برابر ہو سکتا ہے) اے رسول کہدے کہ جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر نہیں، عقلمند ہی نصیحت پکڑتے ہیں۔

(۲) وہ اپنے دل سے نہیں کہتا، وہ جو کچھ کہتا ہے وحی ہوتی ہے جو اُس پر آتی ہے۔

(۳) اس میں ہم کو نہ کسی طرح کی تکلیف پہونچتی ہے اور نہ کسی طرح کا تکان لاحق ہوتا ہے۔

(۴) کیا وہ جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اُسے جلایا اور ایک نور بخشا جس سے وہ لوگوں میں چلتا ہے، اُس شخص کی مانند ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں پڑا ہے وہاں سے نکل نہیں سکتا ؟

(۵) کیا وہ جو اپنا منہ اوندھائے ہوئے چلتا ہے، زیادہ رو براہ ہے یا وہ جو سیدھا راہ راست پر چلتا ہے ؟

(۶) کیا وہ شخص جس کا سینہ خدا نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے اور وہ اپنے پروردگار کے نور پر ہے (اُس کے برابر ہو سکتا ہے جو کفر کے اندھیرے میں پڑا ہے) پس ہلاکت ہے اُن کے لئے جن کے دل ذکر الٰہی کی طرف سے سخت ہو گئے ہیں ؟

وغیرذلک من الآیات فی ھذا الباب۔ اور فی الحقیقت یہی وہ نورِ حقیقت اور مشکوٰۃ معرفت ہے جس کو ایک عجیب وغریب اور جامع ومانع تمثیل مرکب میں واضح فرمایا: مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح۔ المصباح فی زجاجۃ۔ الزجاجۃ کانہا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ، لا شرقیۃ ولا غربیۃ۔ یکاد زیتہا یضیٔ ولو لم تمسسہ نار۔ نور علی نور۔ یھدی اللہ بنورہ من یشاء ویضرب اللہ الامثال للناس۔ واللہ بکل شیئی علیم (۱) (نور) اور یہ مقام منجملہ روح الروح معارفِ کتاب وسنت وحقیقۃ الحقائق قرآن وشریعت کے ہے جس کی طرف بہت کم توجہ کی گئی ہے مگر اس کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں۔ تفسیر البیان میں ایک سے زیادہ مواقع پر اس کی تشریح وتوضیح ملے گی، اور اس سے بھی زیادہ مقدمۂ تفسیر موسوم بہ "البصائر" میں بہ عنوان حقیقتِ ایمان وکفر۔ بایں ہمہ ابتک طبیعت اس طرف سے سیر نہیں ہوئی۔ روزبروز یہ مقام اپنی مزید وضاحت اور وسیع تر اطراف ومباحث کے ساتھ نمایاں ہو رہا ہے۔ شاید دامنِ بیان اس سے بھی کہیں زیادہ پھیلے جس قدر البیان میں سمیٹا جا چکا ہے۔ معہذا ارباب ذوق

---

(۱) اُس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے، طاق میں چراغ رکھا ہے، چراغ شیشے کی قندیل میں ہے اور قندیل اس قدر شفاف ہے گویا موتی کی طرح چمکتا ہوا ستارہ ہے، چراغ زیتون کے مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے کہ جو نہ پورب کے رخ واقع ہے نہ پچھم کے رخ، اُس کا تیل ایسا ہے کہ اگر اس کو آگ نہ بھی چھوئے تاہم معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے آپ جل اُٹھے گا، نور علی نور، اللہ اپنے نور کی طرف جسے چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے، اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے اور اللہ ہر چیز سے آگاہ ہے۔

وصلاح کے لئے ایک اشارہ حقیقت کافی ہے۔ واما الذین فی قلوبہم مرض(۱) تو انکیلئے حقائق ومعارف کے قناطیر مقنطرہ بھی بیکار ہیں۔ وہ تو ہمیشہ یہی کہیں گے۔ ماذا اراد اللہ بھذا مثلا(۲) ؟

وما احسن ما اصدق ما قال العرفی الشیرازی :

ہزار معجزہ بنمود عشق و عقل و جہول ہنوز رامست اندیشہ ہائی خویشتن است !

فصل

غرضکہ امام ابن تیمیہ نے ایک ایسی حقیقت جو طبیعت کو جو ارباب ظن ورائے کی صحبتوں سے وادی شک و اضطراب میں حیران و سرگرداں ہو گئی تھی، اُن ساری باتوں میں ایک بات بھی نہیں کہی جو آور لوگ کہہ سکتے تھے، بلکہ صرف یہ وصیت کی کہ سیرت طیبۂ نبویہ کا مطالعہ کرو یہی نسخۂ شفا شک وریب کے سارے دُکھوں کا ایک ہی علاج ہے، اور پھر قولاً بھی اپنی تمام مصنفات میں اسی چیز کو بنیاد علم و ایقان بتلاتے ہیں، تو یہ بات بھی منجملہ اُنہی خصائص مقام وراثت نبوت کے ہے کہ :

علیم بادواء النفوس یسوسہا بحکمۃ فعل الطبیب المجرب !

اور حقیقت یہ ہے کہ نہ صرف اس عہد میں بلکہ جب تک دنیا باقی ہے، صاحب قرآن کی سیرت و حیات مقدس کے مطالعہ سے بڑھکر نوع انسانی کے امراض قلوب و علل ارواح کا آور کوئی علاج نہیں۔ اسلام کا دائمی معجزہ اور ہمیشگی کی حجۃ اللہ البالغہ قرآن کے بعد اگر کوئی چیز ہے تو وہ صاحب قرآن کی سیرۃ ہے، اور در اصل قرآن اور حیات نبوت [illegible] ایک ہی ہیں۔

---

(۱) جن کے دلوں میں بیماری ہے (۲) اس مثال سے خدا کی کیا مراد ہے ؟

قرآن متن ہے اور سیرت اُس کی شرح۔ قرآن علم ہے اور سیرت اُس کا عمل، قرآن صفحات و قرطیس مابین الدفتین اور فی صدور الذین اوتو العلم ہے، اور یہ ایک مجسّم و ممثّل قرآن تھا جو عرب کی سرزمین پر چلتا پھرتا نظر آتا تھا۔ کما قال الصدیقۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا "وکان خلقہ القرآن"

من کیم؟ لیلیٰ، و لیلیٰ کیست؟ من! ما دو جانے آمدہ دریک بدن

انبیاء کرام کی زندگی سے بڑھکر "یقین" اور "ایمان" کی پکار اور کیا ہو سکتی؟ محال قطعی ہے کہ ایک صاحبِ استعداد سیرت نبویہ کا کوئی چھوٹا سے چھوٹا ٹکڑہ بھی پیش نظر رکھتا ہو اور پھر شک و اضطرابِ نفس کا افسونِ ہلاکت اُس پر کارگر نہ ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے جابجا انبیاء کرام علیہم السلام کی نفس زندگی و وجود کو بطور ایک حجت و برہان کے پیش کیا ہے۔ نہ کہ محض بطور قصص اور انباء بالغیب کے جیسا کہ عموماً سمجھا گیا ہے۔

قرآن حکیم کا کھلا کھلا دعویٰ یہ ہے کہ ہر نبی کی زندگی جس طرح شروع ہوئی اور جس طرح ختم ہوئی اور جو کچھ اُس پر گذرا اور قولاً و فعلاً جو کچھ اُس سے تعلق رکھتا ہے، ان میں سے ہر بات بجائے خود ایک دلیل اور برہان حق ہے، اس سے بڑھکر اس حقیقت کے اثبات کے لئے اور کوئی دلیل یقینی و قطعی نہیں ہو سکتی کہ خدا ہے، اور ساری اچھی اور حسین صفتوں سے متصف ہے اور اُس نے جسطرح عالم ہستی اور ما فیہا کو بنایا، اُسی طرح اُس کے لئے قوانین و نوامیسِ عمل و نتائج بھی بنائے اور وہ ہر حال میں اٹل ہیں۔ دنیا میں انسان زیادہ سے زیادہ اور قطعی سے قطعی یقین جن چیزوں پر رکھتا ہے اور جن وسائل سے اُن کے یقینی ہونے کو مانتا ہے، قرآن کی دلیل اُنہی کی طرح قطعی اور سب سے

زیادہ روشن و محکم ہے۔ اور اگر یقین کے لئے یہ دلیل کافی نہیں تو پھر اس دنیا میں یقین کا وجود ہی نہیں حتیٰ کہ دوپہر کے وقت چمکتے ہوئے سورج کا بھی نہیں۔ اگر تم کہتے ہو کہ دنیا میں صرف وہی باتیں ماننی چاہیے جو "یقینی" ہوں اور "ثابت" شدہ ہوں۔ یعنی تم اعتقاد کے لئے صرف "امکان" کافی نہیں سمجھتے۔ "اثبات" کے طلبگار ہو، تو جب بھی دنیا میں "الکلم الطیب" اور "العمل الصالح" سے بڑھکر اور کون سی ثابت و واقع حقیقت ہو سکتی ہے؟ خود تمہارا وجود اور اثبات "انا" بھی اس سے زیادہ ثابت و مشہود نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے جا بجا دعوت الی الوحی کو "قول الثابت" اور "دین القیم" اور "الواقع" اور "الثالث" وغیرہا سے تعبیر کیا ہے گو لوگ دوسری طرف چلے گئے۔ بہرحال حضرت نوح کا وجود بجائے خود ایک دلیل و اثبات ہے۔ حضرت ابراہیم اپنی ذات کے اندر خود ایک حجت قائمہ و آیۃ کاملہ ہیں۔ حضرت موسیٰ کی پوری زندگی صرف اس ایک لفظ میں تبلا دی جا سکتی ہے: برہان محکم و دلیل ثابت۔ اور اسی طرح تمام انبیاء و مرسلین اور بوجہ اُن کی تبعیۃ و معینہ کے تمام نفوس صادقہ بشر من الصدیقین و الشہداء و الصالحین کی زندگیاں اور زندگی کے تمام وقائع و اعمال بجائے خود ایک مستقل دلیل و برہان حق ہیں۔ اور اس طرح ہر نبی کا تنہا وجود سینکڑوں دلیلوں اور ہزاروں شہادتوں کا مجموعہ ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم اُن کا استشہاداً و استدلالاً ذکر کرتا، اور اُن کو "آیۃ" اور "بینہ" سے تعبیر کرتا، اور اس طرح گویا ہر ایک تذکرہ و حکایتِ حیاتِ نبوت میں دنیا کے سامنے صدہا دلیلیں اور روشنیاں چمکا دیتا ہے۔ علی الخصوص یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے جا بجا حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو بطور ایک مستقل دلیل و شاہد ثابت کے

پیش کیا ہے اور نہایت کثرت کے ساتھ اُن کی سیرت وسوانح اور وقائع وایام پر مختلف پیرایوں اور مختلف لواحق وسوابق کے ساتھ بار بار توجہ دلائی ہے۔ اور بسا مقامات میں ایسا بھی ہے کہ:

گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

کا معاملہ ایک کیفیت خاص اور لذتِ اشارات کے ساتھ اصحابِ نظر وذوق کیلئے قُرَّۃِ عیون اور سرورِ انفس وقلوب کا حکم رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض عرفا، واصحاب اشارات نے کہا۔ بائے بسم اللہ سے سین والناس تک جو کچھ ہے، گو حکایت موسیٰ کلیم کی ہو اور یوسف صدیق کی (صلوٰۃ اللہ علیہما) لیکن اُن سب سے مقصود ایک ہی ہے، اور گو نام دوسروں کے ہوں مگر روئے سخن اُسی طرف ہے:

چشم سوئے فلک و روئے سخن سوئے تو بود؟

اور اُردو میں کسی نے خوب کہا ہے:

نام اُن کا آسماں ٹھہرا لیا تحریر میں!

والکنایۃ ابلغ فی الذہن من التصریح:

خوش دلکش ست قصۂ خوبان روزگار — تو یوسفی و قصۂ تو احسن القصص!

اور اگر اس بات کو باب اشارات سے باہر بھی دیکھا جائے، جب بھی اِسکی صداقت میں کلام نہیں۔ جب تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا وجود اصلاً ایک ہی اصل وحقیقت پر مبنی اور تمام مقاصد، اعمال ووقائع میں جزءً وکلاً ایک ہی سلسلۂ بعثت کی مختلف کڑیاں

اور ہم رنگ و ہم معنی اشکال و صور ہیں، اور اس لئے باہمدگر اشباہ و نظائر کا حکم رکھتے ہیں، بحدیکہ بوجہ کمال اشتراکِ صورت و معنی اگر ایک کڑی ہٹا دی جائے تو دوسری ٹھیک ٹھیک اُس کی جگہ پڑ جائے، اور معلوم ہے کہ اس سلسلہ کی آخری کڑی یعنی وجود مقدس حضرت خاتم الادیان و مکمل الشرائع و متمم النعم ساری پچھلی کڑیوں کا جامع، اور اسی لئے بحکم "انا سید ولد آدم" اور "لو کان موسیٰ حیًا ما وسعہ الا اتباعی" اور نص قرآنی کہ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس[1] اور الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی الخ[2] اور فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید و جئنا بک علی ھٰؤلاء شھیدا[3] (نساء) منتہاء مرتبۂ سیادت و قیادتِ عالم، و مرکزیتِ رسل و شرائع، و افضلیت کلی نوع سے فائز و ممتاز ہے:

بہ طراز ندگی قامت موزوں نازم

یک قبا نیست کہ شائستہ اندام تو نیست!

تو لامحالہ باب فضائل و مقامات اور قصص و حکایتِ ایام میں جو کچھ قرآن حکیم نے بیان کیا ہے، یا جو کچھ صدق لسان و تحقیق کے بیان کے ساتھ اس بارے میں کہا جائے گا، وہ گو بلا واسطہ دوسروں کی حکایت ہو، مگر بالواسطہ متعلق اسی وجود اجمع و اکمل سے ہوگی۔ اور جب کبھی خاص اس وجود جامعیت کی نسبت کچھ کہا جائے گا، تو گو اُس میں دوسروں کا ذکر لفظاً

---

(۱) تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے اٹھائے گئے ہو (۲) آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی الخ (۳) اُس وقت کیا ہو گا جب ہم ہر گروہ میں سے ایک گواہ لائینگے اور تجھے ان لوگوں پر گواہ بنا کر بلائیں گے؟

ع یہاں ایک فٹ نوٹ تھا جسے چھوڑ دیا ہے۔

نہ آئے، لیکن حال یہ ہوگا کہ گویا تمام انبیاء و مرسلین کے مراتب و کمال میں سے ایک ایک فرد کا ذکر کر دیا گیا، اور وہ سب کچھ آگیا جو اُن کے بارے میں کہا جا سکتا تھا۔ جب باغ و چمن کا نام لیا تو گو تم نے نہ پھولوں کا نام لیا ہو نہ اُن کی رنگت و بو کا، نہ نہروں کا ذکر کیا ہو نہ اُنکی نضارۃ و روانی کا، لیکن خود بخود ان سب کا ذکر آگیا، اور جب تم نے کہا تختۂ گل، ہوائے عطر بیز، نظارۂ انہار و اشجار، بنفشہ و سنبل و یاسمن، تو اب تم باغ و چمن کا نام لو یا نہ لو، مگر اُس کا نام تو تم نے اُن ناموں میں سے ہر نام کے ساتھ لے ہی لیا، اور گو بظاہر ذکر بنفشہ و سنبل اور اشجار و انہار کا تھا مگر فی الحقیقت ذکر اُن سب کا نہیں بلکہ صرف ایک ہی حقیقت جامعہ تھا۔ یعنی باغ و چمن کا۔ مولانا کے اشارات اس مقام کی نسبت ازبس لطیف و پر ذوق واقع ہوئے ہیں۔ ازانجملہ کیا خوب فرمایا:

نام احمد نام جملہ انبیاست
چونکہ صد آمد نود ہم پیش ماست

جب "سو" کہدیا تو اب ایک سے ننانوے تک جو کچھ ہے سب آگیا۔ اور جب کہا ایک۔ دو۔ دس۔ پچاس۔ تو فی الحقیقت ذکر "سو" ہی کا ہوا۔ قرآن حکیم میں یا احکام ہیں، یا مواعظ و حِکَم ہیں، یا شرح قوانینِ ہدایت و ضلالت، اور یا پھر قصص الاولین۔ تو معلوم ہے کہ اگر احکام ہیں تو اُسی شریعت کے جس کا حامل سید المرسلین ہے۔ مواعظ و حکم ہیں تو وہی ہیں جن کی عملی تصویر اُسوۂ کاملہ وجودِ سید المرسلین ہے۔ قصص ہیں تو اُنہی فضائل و مراتب کے جو سب کے سب مرتبۂ جامعیت محمدی میں بوجہ اتم واکمل جمع ہو گئے۔ پس اگر حضرات صوفیائے کرام نے تمام قرآن کو اِسی ایک حسنِ اکمل اور جمالِ بے ہمتا کی حکایتِ شمائل

اور شرح سراپا کہا، تو قطع نظر فسحتِ میدان اشارات کے، ویسے بھی یہ کیوں موجب قدح وشک ہو؟ حق یہ ہے کہ "قرآن" اور "صاحب سنت" کی باہمی یگانگت واتحاد کے باب میں جو کچھ بھی اور جس قدر بھی کہا جائے، اُس سے بہت کم ہے جس قدر کہنا چاہیے۔

وللہ در ہما قال :

ما شئت قل فیہ، فانت مصدق   فالحب یقضی والمحاسن تشھد (۱)

بلکہ اس مقام پر حق تو وہ ہے جو شیخ ابن الفارض نے کہا۔ طلب اللہ مضجعہ :

وعلی تفنن واصفیہ بوصفہ   یفنی الزمان وفیہ مالم یوصف!

وقال ایضاً رحمہ اللہ :

اری کل مدح فی النبی مقصراً   وان بالغ المثنی علیہ واکثر

اذا اللہ اثنی بالذی ھو اھلہ   علیہ، فما مقدار ما یمدح الوری!

اور اگر خاص طور پر اس معاملہ کو دیکھا جائے تو فی الحقیقت یہ چیز بھی منجملہ خصائص قرآن وصاحبِ قرآن کے ہے۔ آج تمام ادیان حاضرۂ عالم میں کوئی دین بھی ایسا نہیں جس کی کتابِ الٰہی اور صاحب وحامل کتاب کے باہمی علاقہ، وحدت کا یہ حال ہو۔ اور دونوں میں سے ہر وجود ایک دوسرے سے اس طرح پیوستہ وملحق اور باہم گر شاہد ومشہود کا تعلق رکھتا ہو کہ کتاب، حامل کتاب کی صداقت پر دلیل وشاہد ہو، اور حامل کتاب، اصل کتاب

---

(۱) اُس کے بارے میں جو چاہو کہو، تمہاری تصدیق کی جائے گی، کیونکہ محبت فیصلہ کے لئے بیٹھی ہے اور خوبیاں گواہی کے لئے کھڑی ہیں!

کی صداقت پر:

این دو شمع اند کہ از یک دگر افروختہ اند!

حتیٰ کہ اگر تاریخ شریعت کے تمام وسائل معدوم ہو جائیں، اور روایت و حکایت کے تمام صحائف سے قطع نظر کر لیا جائے، جب بھی صاحب شریعت کے وجود و سیرت کی تاریخی حقیقت اسی طرح روشن و بیّن باقی رہے، جس طرح تاریخی و روایت کے دفاتر میں ہے، اور اگر دنیا چاہے تو اُس کی پوری تاریخ حیات صرف ایک کتاب اللہ کی لوحِ محفوظ اور کتاب قیّم ہی سے مرتب کر لے!

فصل

اور یہ معاملہ صرف شیخ عماد الدین واسطی ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ امام ابن تیمیہ کے برکات امامت کے اس فیضان جاری و ساری کا اُن کے تمام معاصرین محققین نے خصوصیت کے ساتھ اعتراف کیا ہے۔ آج بھی اُن کے علوم و معارف سنت کا اس خاصۂ عظیمہ کا ہر وہ شخص اور جماعت تجربہ کر سکتی ہے جو شک کی بیماریوں سے مایوس اور یقین کی محرومی سے لب مرگ ہوا ور جس کو حدیثِ نفس(۱) اور وہم خاطرِ فاتر کے زخموں نے چور چور کر دیا ہو۔ البتہ ہر حال میں طلبِ صادق شرط ہے، اور جاحد والد الخصام مریض نہیں ہے جس کے لئے کوئی نسخہ مفید ہو سکے۔ وہ اموات و قبور میں داخل ہے جن کا معاملہ علاج سے باہر ہو چکا،

---

(۱) یہاں ایک طویل اور دلچسپ حاشیہ لکھا ہے ہم نے چھوڑ دیا ہے۔ "تذکرہ" میں دیکھو۔

اور انک لتھدی الی صراط مستقیم[1] کے ساتھ وما انت بمسمع من فی القبور[2] اور سواء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم[3] بھی موجود و معلوم ہے۔ دوا بیمار کو کھلائی جاتی ہے اگرچہ جانکنی میں مبتلا ہو۔ لیکن ایک ٹھنڈی لاش کے لئے بقراط و جالینوس کی ساری مسیحائیاں بھی بیکار ہیں۔ یہی وہ حقیقت مقام امامت فی الدین کی ہے جو طبابت و تداوی امراض یقین کی نظری و عملی قوت کی راہ کھول دیتی ہے، اور اسی کی طرف امام اہل السنت حضرت احمد بن حنبل نے اپنے نامۂ وصیت بنام مسدد بن مسرہ کے خطبہ میں اشارہ کیا تھا کہ "الحمد للہ الذی جعل فی کل زمان بقایا من اھل العلم، یدعون من ضل الی الھدیٰ، ویبصرون بنور اللہ اھل العمیٰ، ویحیون بکتابہ الموتیٰ، وبسنۃ رسولہ اھل الجھالۃ والردیٰ، ویبصرون منھم علی الاذیٰ، فکم من قتیل الابلیس قد احیوہ؟ وکم من ضال لا یعلم طریق رشدہ قد ھدوہ؟ وکم من مبتدع فی دین اللہ بشھب الحق قد رموہ؟ فما احسن اثرھم علی الناس! ینفون عن دین اللہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاھلین، الذین عقدوا الویۃ البدعۃ، واطلقوا اعنۃ الفتنۃ، مختلفین فی الکتاب، ویقولون علی اللہ وفی اللہ۔ تعالی اللہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا، انتھیٰ ما نقلہ الحافظ ابن الجوزی فی سیرتہ۔ یعنی امت محمدیہ کا کوئی زمانہ نہیں جو اہل العلم کے بقایا سے

---

(۱) البتہ تو سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ (۲) جو قبروں میں ہیں تو انہیں سنانے کا نہیں۔

(۳) تو ڈرائے یا نہ ڈرائے ان کے لئے برابر ہے۔

خالی ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ بھٹکے ہوؤں کو راہ ہدایت کی طرف بلاتے ہیں، کور چشمانِ ظلمت کی آنکھیں نورِ الٰہی سے روشن کر دیتے ہیں، کتاب وسنت کی روحِ حیات سے جہل مردی اور غفلت کی نعشیں جلا دیتے ہیں۔ اور اس کام میں اہل جہل وضلالت کے ہاتھوں جس قدر بھی اذیتیں پہونچتی ہیں۔ اُن پر صبر کرتے ہیں۔ پھر کتنے ہی ابلیسِ جہل کے مارے ہیں جو اُن کی مسیحائی سے جی اُٹھے! اور شیطان وشک وریب کے تیروں کے زخمی ہیں جنہیں اُن کے دستِ شفا سے یقین کا مرہم اور ایمان کی اکسیر ملی! بھٹکے ہوؤں کو راہ پر لگا دیا۔ بدعت کے لشکروں اور احداث وتحریف کی پلٹنوں کو قرآن وسنت کے تیروں کی بوچھار سے تر بتر کر دیا۔ گمراہی کے جھنڈے اُن کے آگے سرنگوں ہوگئے۔ اور فتنوں کی صفیں اُن کے قشونِ دلائل اور جنود براہین کے فاتحانہ حملوں سے الٹ گئیں۔ انتہی ملخصاً۔(۱)

حضرت امام اہل السنت کا یہ خطبہ باوجود ایجاز کچھ ایسا جامع واقع ہوا کہ بڑے بڑے اکابر واعلام کی زبانوں پر خود بخود چڑھ گیا اور انہوں نے ساری خطبات وفواتح اور عبائر مطالع چھوڑ کر انہی چند متبرک جملوں پر اقتصار کر لیا۔ بظاہر یہ مقبولیت خطبات ماثورہ ومطالع شہیرۂ خلفاء راشدین کے بعد اور کسی مصنف کے کلام کو نہیں ملی۔ وھذا من خصائصہ رضی اللہ عنہ۔ حافظ ابن مندہ اپنے اکثر خطبات اسی سے شروع کرتے۔ حافظ ابن جوزی کا (کہ اُن لوگوں میں ہیں جنہوں نے خطبات وعظ مجامع کو ایک فن بنا دیا) قاعدہ تھا کہ اپنے اکثر مواعظ اسی خطبہ سے شروع فرماتے۔ حجۃ الاسلام حافظ ابن قیم تو اس کے ایسے شیفتہ ہوئے کہ اپنی اکثر کتابیں اسی سے شروع کرتے ہیں مثلاً

---

(۱) یہاں ایک حاشیہ تھا، "تذکرہ" میں دیکھو۔

مفتاح دار السعادت، ودیباچۂ نونیہ، والصواعق المرسلہ، وغیر ذٰلک۔ تو یہ مقبولیت بلاوجہ نہیں ہے۔ اسی لئے ہے کہ اس خطبہ کے ہر جملہ میں ایک دفتر معارف پوشیدہ ہے۔ از انجملہ یہ کہ فرمایا "یشھب الحق قد رموہ" تو یہ وہی بات ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمائی تھی "ارموہم بالسنت" (رواہ الدارمی) ارباب بدع وہوا پر سنت کے تیر چلاؤ۔ اس کی روک کے لئے اُن کے پاس کوئی ڈھال نہیں۔ اور اسی لئے اہل بدعت کی ایک پہچان یہ ہوئی کہ ہمیشہ قرآن کے نام کی آڑ پکڑیں گے (کلمۃ حق ارید بہا الباطل) اور سنت وماثور سے اعراض کریں گے "علیکم بھذا القرآن فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوہ" الخ۔ تو سنت واسوۂ حسنہ کے تیروں کی بارش سے اُن کے منہ پھیر دو، ما اتاکم الرسول فخذوہ اور حتی یحکموک فیما شجر بینھم اور من اطاعنی فقد اطاع اللہ" کے بے خطا ہتیاروں سے اُن کا مقابلہ کرو۔ اور یہ جو فرمایا "وکم من قتیل لابلیس قد احیوہ" تو یہ وہی حقیقت ہے کہ کمال اتباع وتفانی فی السنت کیوجہ سے اُن پر معالجۂ نفوس وتداوی امم کی راہیں کھول دی گئی ہیں، اور وہ صرف ایک ہی نسخۂ کتاب وسنت ہاتھ میں لے کر تمام بیماران قلب وناخوشان روح کو دعوتِ شفا دیتے ہیں۔ یہی سر ہے کہ منجملہ اسماء وصفات قرآنیہ کے ایک اسم وصفی "الشفاء" بھی قرار پایا کہ دل اور یقین کے سارے دکھوں کے لئے بجز اُس کے اور کسی میں شفاءِ طمانیت نہیں: قل ھو للذین اٰمنوا ھدی وشفاء والذین لا یومنون فی اذانھم وقر وھو علیھم عمی۔ اولئک ینادون من مکان بعید[1]

---

(۱) کہدے وہ ایمان والوں کے لئے ہدایت وشفا ہے، اور جو ایمان نہیں رکھتے اُن کے کانوں میں گرانی اور وہ اُن پر نابینائی ہے، وہ (گویا) بڑی دور جگہ سے پکارے جاتے ہیں۔

(حم سجدہ) وننزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمؤمنين ولا يزيد الظالمين الا خسارا[1] (اسریٰ) یا ایها الناس قد جاءتکم موعظة من ربکم وشفاء لما فی الصدور[2] (لعلها فی التوبہ او یونس) اور قلب و روح کی "طمانیت" یعنی عدم اضطراب و شک اُسی کے پاس ہے: الذین امنوا وتطمئن قلوبهم بذکر الله الا بذکر الله تطمئن القلوب[3] (رعد) اور یہی وہ کمال مرتبۂ ایقانی ہے جو معبّر بہ لفظ "سکینت" بھی ہوا: هو الذی انزل السکینة فی قلوب المؤمنین لیزدادوا ایمانا مع ایمانهم[4] (فتح) پس جب شفا و وسیلۂ طمانیت قلب قرآن ہوا، اور قرآن کی عملی تفسیر وجود صاحبِ قرآن، تو اب شفا بھی صرف اُنہی ہاتھوں سے مل سکتی ہے جن کے پاس اس نسخہ کا کامل علم و عمل ہو، اور وہ نہیں ہے مگر کتاب و سنت۔ یہی مقام امام ابن تیمیہ کا تھا، اور سلسلۃ الذہب تجدید و احیاء امت کے ہر حلقۂ دعوت کا ہوا، اور ہوگا:

بحکمة فعل الطبيب المجرب!

شیخ سراج الدین ابو حفص البزار بغدادی اُس عہد کے مشاہیر اعلام میں سے ہیں۔

---

(۱) قرآن میں مومنین کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کو اُس سے خسارا ہی بڑھتا ہے۔

(۲) اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس موعظت اور دلوں کی بیماریوں کے لئے صحت آگئی ہے۔

(۳) جو ایمان لائے اور جن کے دل ذکر الٰہی سے مطمئن ہوتے ہیں، ہاں خدا ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

(۴) اُسی نے مومنوں کے دلوں میں سکینت اتار دی ہے تاکہ اپنے ایمان کے ساتھ اور زیادہ ایمان حاصل کریں۔

انہوں نے امام ابن تیمیہ کے حالات ومناقب میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے" الاعلام العلیہ فی مناقب الامام بن تیمیہ" رسالۂ مذکور میں لکھتے ہیں حدثنا غیر واحد من العلماء الفضلاء، الذین خاضوا فی اقاویل المتکلمین لیسترجعوا منہا الصواب، ان کلا منہم لم یزل حائرًا فی تجاذب الاقوال الاصولیین ومعقولاتہم، وانہ لم یستقر فی قلبہ منہا قول ولم یبن لہ من مضمونہا حق، بل رآہا کلہا موقعۃ فی الحیرت والتضلیل، وانہ کان خائفًا علی نفسہ من الوقوع بسببہا فی التشکیک، حتی من اللہ علیہ بمطالعۃ مولفات ھذا الامام، وما اوردہ من النقلیات والعقلیات فی ھذا النظام، فما ھوا الا ان وقف علیہا فرآہا موافقۃ للعقل السلیم، فانجلا عنہ ما کان قد غشیہ من أقوال المتکلمین"

قریب قریب ایسی ہی شہادت حافظ جمال الدین عقیلی السرمری نے" الحمیۃ الاسلامیہ فی الانتصار لمذھب بن تیمیہ" میں دی ہے اور اتنا اور زیادہ کیا ہے:" ومن اراد اختبار صحۃ ما قلتہ فلیقف بعین الانصاف، العریۃ عن الحسد والانحراف، ان شاء علی مختصراتہ (ای مختصرات ابن تیمیہ) فی ھذا الشان، کشرح الاصفہانیہ ونحوھا، وان شاء علی متولاتہ، کتخلیص لتلبیس من تاسیس التقدیس وکتاب العقل والنقل ومنہاج الاستقامۃ والاعتدال، فانہ واللہ یظفر بتحقیق البیان،

ویستمسک باوضح برھان" الخ۔

حاصل دونوں عبارتوں کا یہ ہے کہ ہم سے متعدد علماء وافاضل نے ذکر کیا کہ انہوں نے متکلمین کے اقوال ومقالات میں غور وخوض کیا تھا، تاکہ حق وصواب معلوم کریں، لیکن ان میں سے ہر شخص کا یہ حال ہوا کہ جس قدر اس میدان میں بڑھتا گیا، اتنی ہی زیادہ حیرانی وگمراہی سے اپنے تئیں نزدیک پایا۔ ارباب کلام واصول کے اقوال وعقلیات میں سے کوئی بات بھی ایسی نظر نہ آئی جو بنیادِ حق کو استوار کرتی اور دل کو اُس پر اطمینان وقرار ملتا۔ حتیٰ کہ اُن کی حالت سخت مخدوش ہوگئی اور اپنے ایمان ویقین کی طرف سے خوف پیدا ہوگیا کہ کہیں تشکیک وانکار کی گمراہی میں ڈوب جائیں۔ لیکن جب اللہ نے اُن پر احسان کیا اور امام ابن تیمیہ کے مولفات کے مطالعہ کی توفیق بخشی تو اُن کی ہر بات عقل سلیم کے مطابق پائی اور وہ تمام پردے شک وریب کے ہٹ گئے جو متکلمین کے قیل وقال نے اُن کی بصیرت پر ڈال دیئے تھے۔ اگر کسی شخص کو اس بات کی صحت میں شک ہو تو امام موصوف کی مولفات آج بھی موجود ہیں حسد وتعصب سے خالی ہوکر اُن کا مطالعہ کرے۔ ہم کہتے ہیں کہ واللہ، وہ حق ویقین اور طمانیتِ قلب پالے گا، اور دلائل واضحہ وبراہین قاطعہ کا عروۃ الوثقیٰ اُس کے ہاتھوں میں ہوگا۔ انتہیٰ۔

خود امام موصوف کی زندگی ہی میں اُن کی مصنفات کے اس خاصہ کی شہرت یہاں تک عالمگیر ہو چکی تھی کہ مصر وشام وعراق کے کتب فروش ائمۂ سلف کی کتابوں سے زیادہ اُن کی مصنفات کے نسخے رکھتے تھے۔ اُن کی زندگی ہی میں اُنکی

مصنفات سیاح و نوآباد عربوں کے ذریعہ چین تک پہونچ چکی تھیں(۱)۔ اُن کی وفات سے تقریبًا پچاس ساٹھ برس بعد حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔ میں نے شمار کیا تو مشہور مولفات

---

(۱) حافظ ابن رجب طبقات میں لکھتے ہیں "صلی علیہ صلوٰۃ الغائب فی الغالب بلاد الاسلام القریبۃ والبعیدہ۔ حتی فی الیمن والصین۔ و اخبر المسافرون انہ نودی باقصی الصین للصلاۃ علیہ یوم جمعۃ۔ الصلاۃ علی ترجمان القرآن!" یعنی امام ابن تیمیہ نے جب وفات پائی تو اکثر بلاد اسلام میں اُن کے لئے نماز جنازہ غائب پڑھی گئی، حتیٰ کہ یمن اور چین میں۔ اور سیاحوں کی زبانی معلوم ہوا کہ چین کے نہایت بعید گوشوں میں جمعہ کے دن منادی کرنے والے نے پکارا "ترجمان القرآن کے لئے نماز جنازہ پڑھی جائے گی!" امام موصوف سے ساٹھ ستر برس بعد ابن بطوطہ نے چین کا سفر کیا تھا۔ اُن کو موجودہ شہر پیکن کے قریب قبائل عرب و تجار اہل اسلام کی ایک بہت بڑی نوآبادی ملی تھی جس میں فقہا، و محدثین و مجالس وتدریس موجود تھے شیخ بدرالدین محدث نے اُن کی دعوت کی۔ اس کے علاوہ عام دیار چین میں بھی ہر جگہ عرب اور نومسلم بہ تعداد کثیر موجود تھے، اور بلاد عربیہ سے آمد و رفت کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ پس انہی لوگوں نے امام موصوف کی خبر وفات سُن کر نماز جنازہ پڑھی ہوگی۔ اور یہ جو لکھا ہے کہ: "نودی باقصی الصین" تو اس سے مقصود اندرون چین کی وہی نوآبادی ہوگی جو موجودہ شہر پیکن کے قریب ابن بطوطہ کو ملی تھی۔ اور پھر غور کرو یہی وہ خصائص مقام عزیمت دعوت کے ہیں جن میں آوروں کا کوئی حصہ نہیں ہوتا اگرچہ بظاہر کتنا ہی پایہ بلند رکھتے ہوں۔ خود امام موصوف تو قید خانے کی کوٹھری میں محبوس و مظلوم انتقال کرتے ہیں۔ لیکن ان کیلئے نماز جنازہ چین میں پڑھی جاتی ہے اور اُن کی زندگی ہی میں ترجمان القرآن والسنت ہونے کی شہرت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ چین کی دیواروں سے جا ٹکراتی ہے اور پکارنے والا پکارتا ہے "الصلوٰۃ علی ترجمان القرآن!" حافظ برزالی لکھتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل کے بعد اور کسی کے جنازہ پر خلق اللہ کا اس قدر اجتماع نہیں ہوا نہ اتنی نمازیں پڑھی گئیں جس قدر امام ابن تیمیہ کے جنازہ پر۔ حالانکہ ان کا جنازہ قید خانے سے نکلا علاوہ بریں خلیفہ متوکل امام احمد کا معتقد تھا۔ مگر سلطان عہد ابن تیمیہ کا مخالف۔ وکان یومًا مشہودًا۔ جب جنازہ اٹھا اور انبوہ کا یہ حال ہوا کہ صرف عورتوں کی تعداد صرف پندرہ ہزار [illegible] کی گئی تو ایک شخص نے منارۂ مسجد سے ندا دی: ھکذا یکون جنائز اہل السنہ! سبحان اللہ یہ مقام وراثت نامۂ نبوت!

ابن تیمیہ علاوہ تفسیر القرآن کے چار ہزار صفحوں سے زیادہ ہیں، اور باوجود علماء، دولت اور سلاطین و حکام عہد کی شدید مخالفتوں کے آج کتب فروشوں کے چبوتروں پر سب سے زیادہ مانگ انہیں کی ہے! شیخ ابن یوسف مرعی لکھتے ہیں۔ بلاد مصر و شام کے سیاح جب یمن و نجد کی طرف جاتے ہیں تو بہترین تحفہ جو اُن سے اہل علم طلب کرتے ہیں، امام موصوف کی مولفات ہیں۔ اُن کی زندگی ہی میں یہ حال تھا کہ بڑے بڑے اکابر علم ائمہ سلف کی کتابیں فروخت کر ڈالتے تاکہ مولفات ابن تیمیہ خرید سکیں۔ قاضی القضاۃ شام شیخ شہاب الدین ملکاوی الشافعی (جو فقیہ الشام کے لقب سے مشہور ہوئے اور امام ابو العباس ابن حجی کے شیوخ و روایت میں سے ہیں۔ کما ذکرہ فی المعجم) انہوں نے

بقیہ نوٹ صفحہ ۱۰۳

دمشق میں صدا اٹھی: ھکذا یکون جنائز اہل السنۃ! اور چین میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی زبان سے بے اختیار نکلوا دیا: الصلوٰۃ علی ترجمان القرآن! یعنی ان کی تمام حیات علم و عمل کا خلاصہ قرآن و سنت تھا، نو بحکم حدیث صحاح "انتم شہداء اللہ فی الارض" اللہ نے انسانوں کی زبانی جو کچھ کہلوایا، اُس میں بھی اور کوئی وصف نہ تھا صرف اسی بات کی شہادت تھی کہ سنت کا اہل اور قرآن کا ترجمان و سفیر ہے۔ ایسی چیز ہے کہ انکے بڑے بڑے معاصرین کو سب کچھ ملا تھا مگر یہ نہیں ملی تھی، اور ہمیشہ صرف مجدد العصری کے حصے میں آتی ہے اگرچہ قید خانے میں اُس نے زندگی بسر کی ہو یا سولی کے تختے پر ختم کی ہو، اور اگرچہ تمام دنیا والوں نے اُس کی تحقیر و مخالفت کیلئے ایکا کر لیا ہو، اور تمام روئے زمین کے بادشاہوں نے اُس کی عظمت کو شکست دینے کے لئے اپنی کمریں باندھ لی ہوں۔ و لقد احسن القائل:

در بغا لیس کاسہ رندان بخواری منگرید
کیں حریفان خدمت جام جہاں بیں کردہ اند
قدسیاں بے بہرہ انداز جرعہ کاس الکرام
ایں تطاول بیں کہ با عشاق مسکیں کردہ اند

امام نواوی کی شرح مسلم فروخت کردی اور اُس کی قیمت سے امام موصوف کی الرد علی النصاریٰ (جواب چار جلدوں میں چھپ گئی ہے) خرید کی۔ ایک شخص نے اس پر اعتراض کیا، تو کہا۔ میرے پاس شرح مذکور کے دو نسخے تھے۔ ایک فروخت کردیا۔ لیکن اگر ایک ہی نسخہ ہوتا جب بھی مصنفات ابن تیمیہ کے لئے بلا تامل فروخت کر دیتا۔ کیونکہ "مافی شرح مسلم اعرفہ ومافی مولفاتہ انا لمحتاج الیہ" (کذا نقل عنہ فی الرد الوافی)

میں کہتا ہوں یہ بات آج بھی ویسی ہی سچی اور کھری ہے جیسی اُس وقت تھی، اور سچائی کی پرکھ یہی ہے کہ نہ تو کسوٹیوں کا بدلا جانا اُس کے لئے مضر ہے اور نہ زمانے کا بدلا جانا اُس کے کھرے پن میں شک ڈال سکتا ہے۔ زمانے کی لنبان خواہ کتنی ہی آگے کو بڑھ جائے مگر یہ تو نہیں ہو سکتا کہ سونا پیتل ہو جائے اور کوئی چمکیلا ٹکڑہ سونا کہلانے لگے؛ فالحق ثابت والزمان یدور ویتغیر۔ آج بھی جبکہ دانش فروشی کے نشۂ باطل سے ہر نو خیز بکلم وکتابت سرگراں، اور بضاعت مزجات عقل ورائے کی نمود و نمائش سے ہر نو دولت تنک ظرف مخمور یالاخوانی ہائے لاف و گزاف ہے، اور فتنۂ ادعا مع الجہل وافتاء بغیر علم د عالم آشوبی ہائے وقت ہم عنان رستخیز قیامت کبریٰ و ہم دوش اشراط ساعت عظمیٰ ہے، اور ضلالت وبطالت لم ولانسلم و اعجاب کل ذی رای برایہ ٹھیک اپنی اُس آخری حد تک پہونچ چکی ہے جس کی خبر اول روز ہی ایک حدیث قدسی میں دیدی گئی تھی،

"ان امتک لا یزالون یقولون ما کذا؟ ما کذا؟ حتی یقولون ھذا اللہ خلق الخلق فمن خلق اللہ؟"(۱)

---

(۱) تیری امت برابر کہتی رہے گی یہ کیسے ہے؟ یہ کیسے ہے؟ یہاں تک کہ کہیں گے اچھا یہ خدا ہے جس نے تمام مخلوق پیدا کی ہے، اور خود خدا کو کس نے پیدا کیا ہے؟ (یہاں تذکرہ میں ایک حاشیہ ہے)

غرضکہ آج بھی جبکہ بحکم بل قالوا مثل ما قال الاولون دورۂ فتن وکرۂ فساد پھر اسی نقطہ پر واپس آگیا ہے جہاں سے چلا تھا اور اس لئے تشکیکات وتدسیسات او تلبیسات وتحریفات کے سارے فتنے بہ یک زمان وظرف جاگ اٹھے ہیں، جس طالب حق ویقین کو ہر طرف سے یاس وقنوط کا جواب مل چکا ہو، اور جس کسی نے قطع طریق میں اپنے ہر رہنما کو خود گم کردہ راہ وعقل باختہ تلصّص تشکیلات وتوسوس شبہات پایا ہو، آئے، اور ائمۂ حدیث واثر کے معارف وبراہین خالصۂ کتاب وسنت کا مطالعہ کرے اور دیکھ لے کہ اقوال وحالات مندرجۂ صدر کی سچائی اب بھی کیسی کھری اور غیر مبدل ہے؟ اور سرچشمۂ یقین وحکمت حاملین علوم نبویہ ہیں، یا مقلدین یونان وفرنگ؟ وما یستوی الاعمیٰ والبصیر، ولا الظلمات ولا النور، ولا الظل ولا الحرور، وما یستوی الاحیاء ولا الاموات ان اللہ یسمع من یشاء۔ وما انت بمسمع من فی القبور(۱)! (فاطر او الروم)

ستعلم لیلیٰ ای دین تداینت ۔۔۔ وای غریم فی التقاضی غریمہا؟

فصل

اور امام ابن تیمیہ کی امامت وعلو مقام کی نسبت ائمۂ معاصرین کی جو شہادتیں نقل کی گئیں، تو یہ صرف اُن کے موافقین ہی کا اعتراف نہیں ہے، بلکہ معاصرین میں جو بعض

---

(۱) بینا اور نابینا، اندھیریاں اور روشنی، چھاؤں اور دھوپ برابر نہیں، اور نہ زندے اور مردے برابر ہیں، خدا جسے چاہتا ہے بات سننے کی توفیق بخشتا ہے، تو انہیں اپنی باتیں نہیں سنا سکتا جو قبروں میں ہیں۔

اہل علم اُن کے اشد شدید مخالف تھے، اور جن کی مخالفتوں سے اُس وقت کے علماء سوء وفقہاء دنیا و حکام جور کی فتنہ پردازیوں کو بڑی ہی تقویت پہونچی، خود اُن کے سروں کو بھی میدان خلاف و مخالفت سے باہر دیکھو گے تو امام موصوف کے سلطان علم و عمل کے آگے عقیدت مندانہ جھکا ہوا پاؤ گے یہی مقام ہے مجدد العصر کا، اور یہی معنی ہیں کمال مرتبۂ حسن وخوبروئی کے۔ صرف دوستوں ہی کی نظریں نہ اٹھتی ہوں۔ ایک عیب جیں دشمن بھی دیکھے تو بے اختیار پکار اُٹھے دلستاں صورتیں اور صبر آزما چتونیں ایسی ہوتی ہیں۔ عربی میں کہتے ہیں۔ حسن وہ ہے جس کا سوکنوں کو بھی اقرار ہو:

ومليحة شهدت لها ضراتها والفضل ما شهدت به الاعداء (۱)

امام ابن تیمیہ کے معاصرین میں سب سے زیادہ نامآور مخالف قاضی تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنہوں نے مسئلہ زیارۃ وطلاق پر دو رسالے لکھے اور منہاج السنت کے متعلق ان کا قصیدہ مشہور ہے:

ان الروافض قوم لاخلاق لهم الخ

لیکن علماء سلف کی مخالفتوں کو اگر تم اپنی نفس پرستانہ و متعصبانہ مخالفتوں پر قیاس کرتے ہو اور سمجھتے ہو کہ اُن کا بھی وہی حال تھا جو آج تمہارا ہے۔ تو یہ تمہاری غلطی ہے۔ جہل و تعصب اگرچہ ہمیشہ دلوں پر حاکم رہے مگر علم والوں کا اخلاق ہمیشہ ایسا ہی نہیں تھا جیسا اپنا دیکھ رہے ہو:

---

(۱) حسینہ، جس کی گواہی اُس کی سوکنیں بھی دیتی ہیں، اور بڑائی وہی ہے جس کی گواہی دشمن تک دیں۔

گفتی کہ چہ شد قاعدۂ مہر و محبت؟ رسم کہنے بود بعہد تو برافتاد!

جب قاضی موصوف امام ابن تیمیہ کی مخالفت میں غلو و تشدد کرنے لگے تو حافظ ذہبی نے ایک خط لکھکر ملامت کی۔ اس خط کے جواب میں معذرت کرتے ہوئے لکھتے ہیں "واما قول سیدی فی الشیخ تقی الدین، فالمملوک یتحقق کبیر قدرہ وزخارۃ بحرہ، وتوسعہ فی العلوم النقلیۃ والعقلیۃ، وفرط ذکائہ واجتہادہ، وبلوغہ فی کل من ذلک المبلغ الذی یتجاوز الوصف، والمملوک یقول ذالک دائماً، وقدرہ فی نفسی اکثر من ذلک، واجل مع ماجمعہ اللہ لہ من الزہادۃ والورع والدیانۃ ونصرۃ الحق والقیام فیہ لا لغرض سواہ، وجریہ علی سنن السلف واخذہ من ذالک بالماخذ الاوفی، وغرابۃ مثلہ فی ھذا الزمان بل من ازمان" حکاہ ابن حجر فی درر الکامنہ یعنی جو کچھ جناب نے شیخ تقی الدین (ابن تیمیہ) کی نسبت لکھا ہے تو یقین کیجئے کہ یہ خادم اُن کی قدر و منزلت کی بزرگی، علم کی بے پایانی، علوم نقلیہ و عقلیہ میں وسعتِ نظر، کمال ذکاوت و اجتہاد، اور ان سارے اوصاف کمال میں وہاں تک پہونچ جانے کا معترف ہے جو حد توصیف سے باہر ہے۔ علی الخصوص ان اوصاف کے ساتھ اُنکا زہد و ورع اور دیانت و حق پرستی اور صرف اسی کے لئے نصرت حق، قیام و ثبات، اور طریق سلف پر سلوک، اور مواد سلفیہ سے بہ کمال اخذ و نظر، اور بہ حیثیت مجموعی اُن کا وہ مرتبۂ کمال کہ موجودہ عہد میں اپنی نظیر آپ ہی ہیں۔ بلکہ کتنے ہی عہدوں سے ایسے

باکمال پیدا نہیں ہوئے۔ انتہیٰ (۱) یہ ہے قاضی القضات تقی الدین سبکی کی شہادت امام ابن تیمیہ کی نسبت، جن کی مخالفت پر شیخ ابن حجر مکی اور اُن کے ہم مشربوں کو ناز ہے اور بار بار حوالہ دیتے ہیں کہ شیخ الاسلام سبکی نے اُنکار کیا، تو یہ ہیں شیخ الاسلام سبکی، اور وہ تھے ابن تیمیہ!

متفق گردید رائے بوعلی با رائے من!

سچ ہے۔ "کمال" اور "حسن" ہی میں یہ اعجاز ہے کہ اگر تم پہاڑ کا جماؤ اور سمندروں کا طوفان بھی اپنے اندر پیدا کر لو، جب بھی اس کے سامنے ایک اڑتے ہوئے تنکے سے زیادہ قوت نہ پیدا کر سکو گے۔ اگر تم اپنے سر کو جھکنے سے اور زبان کو بولنے سے روکو گے، تو سچائی کا فرشتہ اپنے آہنی پنجوں سے تمہیں گرا دے گا اور حقیقت کا ہاتف تمہارے حلق کے اندر بیٹھکر تمہاری زبان کو ایک مدہوش و بے اختیار آدمی کی طرح کھول دے گا۔ سچائی اپنی گواہی پتھروں سے مانگ لے سکتی اور درختوں کو بلوا کر دلا دے سکتی ہے تو انسان کی روح و زبان کب اس کے فرمان قضا، سے باہر رہ سکتے ہیں؟ دنیا میں کامل طاقت اور بے باک حکم صرف سچائی ہی کو پہونچتا ہے۔ یا اُس کے دوسرے عرف میں کہہ سکتے ہیں کہ حسن کو اُسکی سوا اس کائناتِ جمال میں ہے کون؟

او سنگ بر تو دعوئ طاقت مسلم ست، خود را نہ دیدہ بہ کف شیشہ گر ہنوز!

شیخ ابن حجر مکی اور دیگر مخالفین ابن تیمیہ قاضی سبکی کے بعد قاضی جمال الدین زملکانی کی مخالفت سے استدلال کرتے ہیں، سو بلا شبہہ انہوں نے بھی سخت مخالفت کی۔

---

(۱) یہاں ایک طویل فٹ نوٹ تھا، تذکرہ میں ملاحظہ ہو۔

دونوں مرتبہ وہی رئیس المناظرین تھے۔ حافظ ابن البلقینی لکھتے ہیں کہ جب ابن تیمیہ سے مناظرہ قرار پایا تو زملکانی کے سوا کوئی زبان نہ کھول سکا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں:

"حتی کان اشد المتعصبین علیہ والعاملین فی ایصال الشر الیہ ھو الشیخ الزملکانی"

یعنی شیخ زملکانی نے سب سے زیادہ اُن کے خلاف اظہار تعصب کیا اور مضرت پہنچانے میں ساعی ہوئے۔ لیکن معلوم ہے۔ بااین ہمہ امام موصوف کے علم وعمل کی نسبت اُن کی رائے کیا تھی؟ حافظ ابن رجب طبقات میں اُن کا قول نقل کرتے ہیں (فیما احفظ عنہ)

"لم یر من خمس مائۃ سنۃ" پانچ سو برس سے ایسا باکمال دیکھا نہیں گیا! امام ابن تیمیہ کی ایک کتاب الدلیل علی بطلان التحلیل ہے۔ قاضی موصوف نے یہ کتاب اپنے قلم سے نقل کی جیسا کہ طباعت سے پہلے عام دستور تھا اور لوح پر لکھا من مصنفات سیدنا وشیخنا، وقدوتنا، الامام العالم العلامۃ الاوحد، البارع الزاھد الورع القدوۃ الکامل العارف سید العلماء، قدوۃ الائمۃ، حجۃ اللہ علی العباد، اوحد العلماء العاملین، آخر المجتھدین، شیخ الاسلام" الخ حافظ سیوطی کی اشباہ والنظائر النحویہ چھپ گئی ہے۔ حرف "لو" کی بحث میں ابن تیمیہ کی ایک تحریر نقل کی ہے جو شیخ زملکانی کے خط سے منقول ہے شیخ موصوف ابن تیمیہ کی مدح میں کہتے ہیں:

ماذا یقول الواصفون لہ؟ وصفاتہ جلت عن الحصر!

ھو حجۃ للہ قاھرۃ ھو بیننا اعجوبۃ الدھر!

ھو آیۃ فی الخلق ظاھرۃ انوارہا اربت علی الفجر!

صاحب ردالوافر نے اُن کا قول نقل کیا ہے "اجتمعت فیه شروط الاجتهاد علی وجهها" اور "کان اذا سئل عن العلم، ظن السامع انه لا یعرف غیر ذلک وکان الفقهاء من سائر الطوائف اذا جلسوا معه، استفادوا فی مذاهبهم" الخ۔ یعنی اجتہاد کی ساری شرطیں پوری طرح ابن تیمیہ میں جمع ہوئیں۔ ان کی ہمہ دانی کا یہ حال تھا کہ جس علم میں زبان کھلتی معلوم ہوتا اسی کے ماہر و امام ہیں۔ تمام مذاہب کے فقہاء ان کے گرد جمع ہوتے اور اپنے اپنے مذہبوں کے علوم و مسائل میں استفادہ کرتے۔ انتہیٰ۔

یہ ہے شہادت اُن کے مشہور مخالف و حریف کی، اور اسی سے اندازہ کرلو کہ جب مخالفوں کا یہ حال تھا تو دستوں اور منزلت شناسوں کی وارفتگی کا کیا حال ہوگا؟ کیا خوب فرمایا قاضی عینی حنفی نے ردالوافر کی تقریظ میں کہ اگر اور کسی اہل علم کا اعتراف منقول نہ ہوتا تو صرف یہی ایک شہادت ابن تیمیہ کے کمال مرتبۂ علم و عمل کے لئے کفایت کرتی تھی:

اے گل! بہ ہمیں معرکۂ من تو گرم ست ! ہنگامۂ صد سوختہ خرمن تو گرم ست !

فصل

اور یہ جو کچھ لکھا گیا تو مقام تجدید و عزیمتِ دعوت کے صرف ایک ہی پہلو کی نسبت، یعنی مراتب علم و نظر۔ لیکن یہاں کی سب سے بڑی آزمائش گاہ میدان عمل ہے۔ حقیقت بہت زیادہ واضح ہوجاتی اگر اُن کی حیات دعوت و اصلاح کے اعمال و اقدامات کے

کے مناظر سامنے آتے۔ تم دیکھتے کہ اُس عہد کے تمام اصحاب فضل و کمال میدان عمل و دعوت میں
کہاں تھے، اور یہ مجدد العصر کہاں تھا؟

. تقدم مر الکبا فیھم اماما   ولولاہ لماذکبوا ورائہ

ساتویں صدی کے اختتام اور آٹھویں صدی کے اوائل کا زمانہ تاریخ اسلام کا ایک نہایت ہی نازک اور انقلابی زمانہ تھا۔ مشرق میں عربی خلافت کا بکلی خاتمہ ہو چکا تھا ٹمٹماتے ہوئے چراغ بھی بجھ چکے تھے۔ تاتاریوں کا سیلاب اپنی اصلی بلندیوں تک پہنچ چکا تھا، اور اب تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل رہا اور رہ رہ کے اور ٹھہرنے کی جگہ ٹھہر رہا تھا۔ یہ وحشی درندے صرف تاخت و تاراج کے لئے آئے تھے، لیکن اب پچاس لاکھ مسلمانوں کے خون اور چھ صدیوں کے اسلامی تمدن کی ویرانی پر اپنی سلطنت کی عمارت تعمیر کر رہے تھے۔ ہلاکو کا پوتا اگرچہ مسلمان ہو گیا تھا، لیکن ابھی یہ تبدیلی محض برائے نام تھی۔ وحشت و خونخواری میں تمام تاتاری خصائل بدستور کام کر رہے تھے۔ مسلمانوں کا کوئی مرکز باقی نہ رہا تھا۔ برسوں تک جمعہ کے خطبے کسی سلطان اسلام کے ذکر سے خالی رہے۔ اس عام بربادی نے مسلمانوں کی تمام اخلاقی قوتیں بھی فنا کر دیں۔ تاتاریوں کی ہیبت نے زندوں کو مردہ بنا دیا تھا۔ وہ صرف خون بہاتے اور نعشوں کے پل اور سروں کے منارے کھڑے کرتے۔ ایک چھوٹی سی ٹکری آبادیوں کی آبادیاں ذبح کر ڈالتی اور بادشاہوں اور فوجوں کو سر اٹھانے کی جرأت نہ پڑتی جب کوئی مرکز نہ رہا تو شریعت کا بھی کوئی محافظ نہ رہا، نہ امت کا کوئی رہبر۔ وہ سارے علمی و عملی مفاسد جو آج نظر آ رہے ہیں، یا تو اسی عہد میں پیدا ہوئے، یا ہو چکے تھے تو اسی عالم آشوبی میں

کمال وبلوغ کو پہونچے۔ علوم اصلیۂ قرآن وحدیث کے ترک کی بنیادیں اسی عہد میں استوار ہوئیں۔ تقلید شخصی اور مذہبی فرقہ بندی کے التزام اور تعصب نے اسی زمانے میں پورا پورا زور پکڑا۔ تاتاریوں کو سب سے پہلی دعوت حنفیوں اور شافعیوں کے باہمی پیکار ہی نے دی تھی نومسلم حکمران مذہب وعلم سے ناآشنا تھے، اس لئے مذہبی حکومت تمام تر علماء وفقہاء مذاہب کے ہاتھ آگئی۔ ہر مذہب کے لئے الگ الگ قاضی، الگ الگ مدارس، اوقاف، ائمۂ جمعہ، اور مذہبی عہدے قرار پائے۔ یہی چیز صدہا مفاسد ومصائب کا باعث ہوئی۔ ایک طرف علماء، دنیا وفقہاء دولت یعنی ہندوستان کی موجودہ بول چال میں سرکاری علماء ومشائخ کا ایک گروہ عظیم پیدا ہوگیا[1]۔ دوسری طرف باہمی تعصب وتفرقہ کی آگ روز بروز زیادہ بھڑکنے لگی۔ حتی کہ جن چھوٹے چھوٹے اختلافات کو پہلے عوام نے بھی اہمیت نہ دی تھی، اب ان کی بنا پر خواص فقہاء ایک دوسرے کی تضلیل کرنے لگے، اور جس گروہ کو حکومت میں زیادہ دخل ہوا، اُس نے دوسرے کو قیدخانوں اور جلاوطنیوں کی مصیبت تک پہنچا کر چھوڑا۔ عوام کا فتنہ اسی زمانے میں اُس درجہ تک پہنچا جہاں آج نظر آرہا ہے۔ شریعت کے اعتقاد وعمل کی ساری پادشاہی انہی کے ہاتھ ہے۔ جو بات چاہیں علماء سے کہلوادیں، اور جو بات اپنے ہوائے نفس کے خلاف پائیں۔ اس پر اس قدر ہنگامہ مچائیں کہ کسی کو زبان کھولنے کی مجال باقی نہ رہے[2]۔ علم وعمل کی وہ ساری بدعتیں جو آج مسلمانوں کے رگ وپے میں سرایت

---

(۱) یہاں اصل میں ایک حاشیہ تھا جسے ہم نے چھوڑ دیا ہے۔

(۲) یہاں ایک حاشیہ تھا جسے ہم نے چھوڑ دیا ہے۔

کر گئی ہیں حتی کہ باب اجتہاد مسدود' ان سب کا شیوع اور جماؤ اسی زمانہ میں ہوا۔ تعلیم و تعلم کی تمام مجتہدانہ قوتیں ختم ہو چکی تھیں۔ اب صرف پہلے ذخیرہ کی مزید آرائش و تزئین میں ہمتیں مصروف تھیں۔ اسی چیز سے متون و شروح اور تلخیص و تعلیق وغیرہ کا طریقہ رائج ہوا جو بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچا کہ اس کے سوا اور تمام راہیں بحث و بیان کی بند ہو گئیں۔ مذہبی عہدوں کا ذریعہ صرف فروع فقہ کا علم تھا' اس لئے علوم دینیہ میں سے صرف اسی پر قناعت کر لی گئی۔ رفتہ رفتہ علوم اصلیہ قرآن و حدیث متروک و مہجور ہو گئے۔ یہ بات پہلے سے ہو چکی تھی (جیسا کہ امام غزالی وغیرہ نے تصریح کی ہے) لیکن اب بحد غایت پہنچ گئی۔ عملیات میں اہل کتاب اور عجمی اقوام کے اختلاط و امتزاج کا معاملہ آخری حد تک پہنچ چکا تھا۔ اس لئے بدع و رسوم کا فتنہ بھی اپنی پوری قوت اور احاطہ تک پہنچ گیا اور بڑے بڑے علماء کی نظریں اس کے نفوذ و احاطہ کے اندر گم ہو گئیں۔ ایک بڑی مصیبت جو مسلمانوں پر نازل ہوئی' تصوف حقیقی و صالح کے علم و عمل کا تنزل اور جہل و فسق کی کثافتوں سے اس جوہر کا امتزاج' اور اہل صلاح و طہارت کی جگہ خانقاہوں اور صومعوں کی عمارتوں کا پیدا ہو جانا ہے۔ یہ چیز اس عہد میں پوری طرح نشو و نما پا چکی تھی۔ علی الخصوص دیار مصر و شام میں کہ بقیۃ السیف مسلمانوں کا مامن و ملجا تھے' صرف رسمی خانقاہوں اور خرقہ پوشوں کی شہنشاہی تھی۔ خود ملوک و سلاطین بھی انہی کے معتقد تھے اور حکومت کے زور سے ان کی بدعتیں اور جہالتیں پھیلاتے تھے۔ جس گروہ کے قبضہ میں وقت کا پادشاہ اور عوام کا غول ہو' اس کا مقابلہ کون کر سکتا ہے؟ ملک بیبرس چاشنیگر جس کے عہد میں نہ صرف ابن تیمیہ بلکہ تمام ائمہ عہد مثلاً امام ابن دقیق العید و حافظ مزی

وعلم الدین برزالی وغیرہم مبتلائے محن ہوئے، شیخ نصر المنبجی صاحب خانقاہ دمشق کا معتقد تھا۔ اسی شیخ نے بیبرس کو ابن تیمیہ کے خلاف بھڑکایا تھا۔ غرضکہ ملت و شریعت کی سیزدہ صد سالہ زندگی میں جو سخت سے سخت انقلابی زمانے گذر چکے ہیں، اُن سب سے زیادہ ... مہلک زمانہ تھا اور ایک انقلابی برزخ تھا کہ اصلاح کی تمام پچھلی قوتیں ختم ہو چکی تھیں اور فساد کے تمام تخم آئندہ کے لئے پھل پھول رہے تھے۔ وقت نہ تو بڑے بڑے مدرسوں کا طالب تھا نہ بڑی بڑی خانقاہوں کا، بلکہ صرف ایک ایسی زبان و قدم کے لئے تشنہ و بیقرار تھا جسمیں "عزم" ہو اور بازمانہ دعوت و امامت سیکڑوں اعاظم وقت میں سے کسی کو بھی یہ منصب نہ ملا۔ امام ابن تیمیہ ہی تھے جو زمانے کو پلٹ دینے اور دلوں کو بدل دینے کے لئے اٹھے، اور ایک ہی وقت و زندگی میں وقت کی ہر طلب و سوال کا جواب دیا۔ تاتاریوں کے مقابلہ میں حفظ ملت و بلاد کی ایک نئی زندگی بلاد مصر و شام میں پیدا کر دی۔ علم ہی میں نہیں، بلکہ میدان جہاد و قتال میں بھی اُن کا گھوڑا سب سے آگے رہتا تھا۔ ذہبی نے کہا "اما شجاعۃ فبہا تضرب الامثال و یتشبہ اکابر الابطال۔ حتیٰ کانہ لیث حرب[1]" ایک صدی کے قتل و غارت نے تمام ملک کو جرأت و ہمت سے کورا کر دیا تھا۔ بے غیرتی و بزدلی سے سب کے دل مردہ ہو گئے تھے۔ مگر اب وہی آبادیاں تھیں جو خود منزلوں آگے بڑھکر تاتاریوں کا مقابلہ کرتیں اور یقین کرتیں کہ مسلمان اگر مسلمان ہو تو کوئی طاقت اُسے مغلوب نہیں کر سکتی[2]۔ اُن کی زندگی کے حالات امام ذہبی کی زبانی سنو تو معلوم ہو کہ دل کی جگہ سیماب

(۱) ان کی شجاعت ضرب المثل ہے اور بڑے بڑے ہیروں کی شجاعت کے مشابہ ہے، وہ میدان جنگ میں شیر ببر معلوم ہوتے تھے۔

(۲) یہی وجہ ہے کہ بالآخر وہ بھی اس فتنہ سے دوچار ہوئے جو اکثروں کو اس کام میں پیش آیا ہے۔ یعنی سیاسی دعوت اور سلطنت و امامت کبری

(باقی بر صفحہ ۱۱۶)

اور ہمت و عزم کی جگہ ایک پہاڑ تھے۔ دل کی بیقراریوں نے کبھی چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ مگر ہمت کی کوہ وقاری نے جہاں جما دیا، بغیر فتح و نصرت کے منہ نہ موڑا۔ ساتھ ہی علوم و عقائد کی تجدید و اصلاح کا عظیم الشان کام بھی اس اہتمام سے انجام دیا کہ بڑی بڑی جماعتوں سے بھی انصرام نہ پاتا۔ سب سے بڑھکر یہ کہ ابتداءِ خلقت سے دین حق کی وحدت، اصل شرع کے ہر حال و ہر شکل میں ایک ہونے، خیر القرون کے علم و عمل کی از سر نو تجدیدِ دین الخالص اور سنت خالصہ و محضہ کے اعتصام، اور تمام تفرقوں اور فرقہ بندیوں اور بدعتی راہوں کے خلاف قولاً و عملاً دعوت اولیٰ کی صدا اس قوت و نفوذ کے ساتھ بلند کی کہ وقت کا کوئی شور و غوغا اس پر غالب نہ آسکا۔ اور گو ہمیشہ بڑی بڑی قاہر و جابر کوششیں اُس کے خلاف کی گئیں۔ مگر اسکی گونج رہ رہ کر اٹھتی اور دب دب کر اُبھرتی رہی، حتیٰ کہ اگر آج بھی اگر مختلف گوشوں سے صدائیں اٹھ رہی ہیں تو وہ بھی اُسی بازگشت کی گرج ہے۔ تبنی نے کیا خوب کہا ہے:

وما الدھر الا من رواۃ قصائدی ۔۔۔۔ اذا قلت شعراً اصبح الدھر منشدا

دشمنان حق کے پاس سب سے بڑا آلہ تعذیب قید خانے کی کوٹھریاں ہیں مگر یہ چیز بھی ان کی عزیمتِ دعوت کے مقابلہ میں بیکار تھی۔ مصر میں جب قید کئے گئے تو تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔ جب قلم و دوات بھی چھین لی گئی تو قید خانے کے اندر قیدیوں پر نظر ڈالی۔ اُن کا بڑا حصہ ڈاکوؤں رہزنوں اور قاتلوں پر مشتمل تھا لیکن چند دنوں کے اندر انہیں شیطان سے فرشتہ بنا دیا۔ علم و عمل کی جو برکتیں خانقاہوں اور مدرسوں کو نصیب

بقیہ نوٹ صفحہ ۱۱۵:- کی بدگمانی علماء سوء کو ان کی مخالفت میں بڑی کامیابی اسی لئے ہوئی کہ پولیٹکل خطرہ دکھلا کر حکامِ وقت کو مخالف بنا دیا۔ حافظ ابن حجر درر میں لکھتے ہیں "ونسبہ قوم الی انہ یسعی للامامۃ الکبریٰ فانہ کان یلھج بذکر ابن تومرت ویطریہ فکان ذلک مؤکداً لطول سجنہ" اور ابن کثیر لکھتے ہیں "ومن جملۃ اسباب حبسہ خوفھم انہ یمایدعی ویطلب الامارۃ فلتی اعدائہ علیہ طریقاً من ذلک وحسنوا للامراء حلیہ المسألک ملک الکتا

تھیں، وہ جیل خانے کے اندر ہر طرف نظر آنے لگیں۔ صاحب کواکب لکھتے ہیں "حتی صار المجلس بالاشتغال بالعلم والدین خیرًا من کثیر من الزوایا والربط والخوانق والمدارس" یہ معنی ہیں ایمان کامل اور مقام عزیمت علم وعمل کے۔ چراغ جہاں کہیں رکھا جائے گا، اُجالا ہو جائے گا، پھولوں کا گلدستہ طاق سے اُتار کر کوڑے کرکٹ کی ٹوکری میں ڈال دو لیکن اُس کی خوشبو ضرور پھیلے گی۔ مور نے کہا۔ میرا چمن میرے ساتھ ہے۔ باغ و بہار کا محتاج نہیں۔ جہاں کہیں اپنے ہزار رنگ پر کھول دونگا ایک تختۂ چمن کھل جائے گا۔ یہی حال صاحب علم وعمل حق کا ہے۔ وہ زمان ومکان کا محتاج نہیں۔ جہاں کہیں جائے گا روشنی پھیلائے گا۔ جس جگہ سے گذرے گا، ہوا کی عطر بیزی بتلادے گی کہ کوئی گذرنے والا یہاں سے گذرا ہے:

ابھی اس راہ سے گذرا ہے کوئی کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

امام ابن تیمیہ کے تذکرہ میں بہت طول ہو گیا۔ بایں ہمہ جس قدر لکھا گیا، اُس سے کہیں زیادہ قابل ذکر امور چھوڑ دیے گئے۔ حافظ ذہبی کو بھی ایسی ہی صورت پیش آئی تھی جن لفظوں میں انہوں نے معذرت کی تھی، میں بھی کروں گا "فمن خالطه وعرفه، قد ینسبنی الی التقصیر فیه۔ ومن نابذه وخالفه، قد ینسبنی الی التغالی فیه" قاله فی المعجم۔ یعنی جو لوگ امام ابن تیمیہ کے مقامات ومراتب کے جاننے والے ہیں، وہ تو مجھے الزام دیں گے کہ جس قدر مدح کرنی تھی نہ کی، اور جو بے خبر اور مخالف ہیں، وہ میرے بیان کو غلو ومبالغہ قرار دیں گے۔ انتہی۔ قُلتُ:

و اذا المتعز الھلال، فسلم   لانا س رأوہ بالابصار!

فصل

مقصود اصلی اس تذکرہ سے یہ تھا کہ "دعوت" کا مقام دوسرا ہے اور "عزیمت دعوت" کا دوسرا۔ ضرور نہیں کہ ہر رہرو کی یہاں تک رسائی ہو۔ عہد ظہور دعوت میں ہزاروں اصحاب علم و کمال موجود ہوتے ہیں مگر دروازہ کا کھولنے والا صرف ایک ہی ہوتا ہے۔ یہ چند متفرق مثالیں تو دور کی تھیں۔ خود ہندوستان ہی کی تاریخ دیکھ لو۔ ہمیشہ ایسا ہی معاملہ نظر آئے گا۔ شہنشاہ اکبر کے عہد کے اختتام اور عہد جہانگیری کے اوائل میں کیا ہندوستان علما و مشائخ حق سے بالکل خالی ہو گیا تھا؟ لیکن مفاسد وقت کی اصلاح کا معاملہ کسی سے بھی بن نہ آیا۔ صرف شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا وجود گرامی ہی تن تنہا اس کاروبار کا کفیل ہوا معلوم ہے کہ اُس عہد میں بڑے بڑے علما و اصحاب خانقاہ موجود تھے۔ بدایونی و طبقات اور روضۃ العلما، و اخبار الاخیار وغیرہ دیکھو تو معلوم ہوتا ہے۔ ہندوستان میں عالموں اور پیروں کے سوا اور کوئی بستا ہی نہیں۔ علما میں شیخ وجیہہ گجراتی، شیخ علی متقی، شیخ جلال تھانیسری، ملا محمود جونپوری، مولانا یعقوب کشمیری، ملا قطب الدین سہالوی، شیخ عبدالحق محدث، ملا عبدالحکیم سیالکوٹی، مولانا الہداد جونپوری وغیرہم اپنے وقتوں کے مالک اور علم و تعلم کے بادشاہ سمجھے جاتے تھے۔ با ایں ہمہ دوسرے دوسرے گوشوں اور کاموں میں وقت بسر کر گئے۔ اس راہ میں تو ایک قدم بھی نہ اُٹھ سکا۔ شیخ عبدالحق کو تو حضرت مجدد

کے بارے میں سخت لغزش بھی ہوگئی۔ اصحاب طریقت میں حضرت خواجہ باقی باللہ جیسے عارف کامل خود دہلی میں بعہد اکبری مقیم رہے۔ لیکن وہ خود کہتے تھے۔ میں چراغ نہیں ہوں۔ چقماق ہوں۔ آگ نکال دوں گا۔ چراغ احمد سرہندی ہے۔ جو حالت اُس وقت نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام ترکستان وخراسان کی ہورہی تھی، ان سب کے سامنے تھی۔ بہت سے اس پر آہ وفغاں کہتے تھے۔ مگر اس سے معاملہ آگے نہیں بڑھتا تھا۔ ہندوستان میں سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ تمام عوام وخواص پر تصوف کا رنگ غالب تھا بجز یکہ اس کے سوا علماً وعملاً کوئی بات مقبول نہ تھی۔ لیکن تصوف صالح کا جوہر پاک جہل و بدعت کی آمیزش سے یکسر مکدر ہوچکا تھا۔ ایک طرح کی اباحت ومطلق العنانی تھی جس کو طریق باطن واسرار سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ خانقاہوں اور سجادہ نشینی کے سلسلوں کے جال میں پوری اقلیم جکڑ بند تھی۔ دوسری طرف عہد اکبری کی بدعتیں تخت وتاج حکومت کے زور سے ہر طرف پھیل چکی تھیں، اور علماء سوء ومشایخ دنیا خود اُن کے احداث کے باعث ہوئے تھے۔ کون تھا کہ اُس وقت امن وعافیت کے مدرسوں اور سلطانی وفرمانروائی کی خانقاہوں سے نکلتا اور دعوت وصلاح کی امتحان گاہ میں قدم رکھتا؟ خود حضرت موصوف ایک مکتوب میں اپنے فرزند کو لکھتے ہیں "اے فرزند! ایں وقت آنست کہ در امم سابقہ دریں طور وقتی کہ پر از ظلمت ست، پیغمبر اولوالعزم مبعوث می گشت، وبنائے شریعت جدیدہ می کرد۔ دریں امت کہ خیر الامم ست وپیغمبر ایشاں خاتم الرسل علماء را مرتبۂ انبیاء دادہ اند، واز وجود علماء بوجود انبیاء کفایت فرمودہ اند۔ دریں وقت علمائے عارفے تام المعرفت ازیں امت درکار ست

کہ قائم مقام انبیاء اولوالعزم باشد:

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید　　دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

کچھ شک نہیں کہ توفیق الٰہی نے حضرت ممدوح کے وجودِ گرامی ہی کے لئے یہ مرتبۂ خاص کر دیا تھا۔ باقی جس قدر تھے، یا تو مدرسوں میں پڑھاتے رہے، یا موٹی موٹی کتابیں اور نئی نئی شرحیں اور حاشیے لکھتے رہے۔ یا پھر ان کی تضلیل و تکفیر کے فتووں پر دستخط کرتے رہے۔ دوسری جلد کے چوتھے مکتوب میں لکھتے ہیں "از حق الیقین و عین الیقین چہ گوید؟ و اگر گوید کے فہم کند؟ ایں معاملات از حیطۂ ولایت بیست۔ ارباب ولایت بہ رنگ علماء ظواہر در ادراک آں عاجز اند۔ ایں کار مقتبس از مشکوٰۃ نبوت است کہ بعد از تجدید الف ثانی بہ تبعیت و وراثت تازہ گشتہ۔ صاحب ایں علوم و معارف مجدد مت" الخ

یہ جو بار بار کہہ رہا ہوں کہ وقت کا سلطان اور خزینہ دار ایک ہی ہوتا ہے۔ خواہ کوئی ہو اور کیسا ہی ہو مگر اُس سے الگ رہکر کچھ نہیں پا سکتا۔ تو یہ وہی حقیقت ہے جس کو بار بار حضرت ممدوح فرماتے رہے اور ان سے پہلے بھی تمام محرمان راہ نے اشارات کئے "مجدد آنست کہ ہر چہ دراں مدت از فیوض بہ امت رسد، بہ توسط او رسد۔ اگرچہ اقطاب و اوتاد آں وقت باشند"

خاص کند بندۂ مصلحت عام را

پھر بارہویں صدی کا ایک عظیم ظہور علوم و معارف دیکھو۔ زمین بنجر ہو چلی تھی، پھر بھی کھیتوں کی سبزی اور چمنوں کی لالی سے کوئی گوشہ خالی نہ تھا۔ تیرہویں صدی کے تمام کاروبار

علم و طریقت کے اکابر و اساتذہ اسی صدی میں سربرآوردہ ہوئے۔ بعض بڑے بڑے سلاسل درس و تدریس کی بنیادیں اسی میں استوار ہوئیں۔ ہندوستان سے باہر بلاد عربیہ و عثمانیہ میں اکثر مشاہیر علم و ارشاد کا ظہور ہوا، جیسے شیخ ابراہیم کورانی، محمد بن احمد سفارینی النجدی، سید عبدالقادر کوکبانی، شیخ عمر فاسی تیونسی، شیخ سالم بصری، امیر محمد بن اسماعیل یمانی، شیخ عبدالخالق زبیدی، علامہ فلانی صاحب ایقاظ، شیخ محمد حیات سندھی المدنی وغیرہم کہ شاہراہ عام سے اپنی راہ الگ رکھتے تھے اور حقیقت مستورہ کے ناآشنا نہ تھے۔ بااین ہمہ معلوم ہے کہ وہ جو امام وقت کا مقام ہے وہ صرف حجۃ الاسلام شاہ ولی اللہ ہی کے لئے تھا۔ اور لوگ بھی بیکار نہ رہے۔ کام کرتے رہے۔ مگر جو کام یہاں انجام پایا وہ صرف یہیں کے لئے تھا:

فیضی احسنت ازیں عشق کہ دوراں امروز گرم دارد ز تو ہنگامۂ رسوائی را

تفہیمات میں اس معاملہ کے معارف لکھتے ہوئے کہیں تو اپنی طرف بیگانہ وار اشارہ کرجاتے ہیں۔ کہیں کہیں جوش قلبی کی بے اختیاریوں میں صاف صاف بھی لکھ گئے ہیں۔ اپنے ترجمہ میں لکھتے ہیں "نعمت عظمیٰ بریں ضعیف آنست کہ او را خلعت فاتحیت دادند، و فتح دورۂ بازپسیں بر دست وے کردند"، تفہیمات میں لکھتے ہیں "بہ سرم در دادند کہ ایں حقیقت بمردم برساں۔ امروز وقت تست، و زمان زمان تو۔ وائے بر کسی کہ زیر لوائی تو نباشد" ایک اور تفہیم میں یہ کیفیت زیادہ سرمستی کے ساتھ کھلی ہے "فهمني ربي انا جعلناك امام هذه الطريقة، وسددنا طرق الى صول الى حقيقة القرب كلها اليوم غير طريقة واحدة، وهو محبتك والانقياد لك، فالسماء ظليس على من عاداك

بسماء۔ ولیست الارض علیہ بارض۔ فاھل الشرق والغرب کلھم رعیتک وانت سلطانھم۔ علموا اولم یعلموا۔ فان علموا فازوا وان جھلوا خابوا"[1]

ایک اور تفہیم میں لکھتے ہیں "ومن نعم اللہ علی ولا فخر ان جعلنی ناطق ھذہ الدورۃ وحکیمھا وقائد ھذہ الطبقۃ وزعیمھا فنطق علی لسانی ونفث فی نفسی۔ فان نطقت باذکار القوم واشغالھم نطقت بجوامعھا۔ وان تکلمت علی نسب القوم فیما بینھم وبین ربھم رویت لی منا لبھا وقبضت علی جوامع خطامھا۔ وان حطیت باسرار اللطائف وغوامض الحقائق تغوصت قاموسھا وتلمست ناعوسھا وقبضت علی جلابیبھا واخذت بتلابیبھا۔ وان بحثت عن علم الشرائع والنبوات فانا لیث عرینھا وحافظ جرینھا ووارث خزائنھا وباحث مغابنھا اتیتھم بعجائب لا تحصی وغرائب لا تتناھی یدجی۔ شعر: وکم للہ من لطف خفی ٭ یدق خفاہ عن فھم الذکی"[2]

(۱) میرے رب نے مجھے سمجھا دیا ہے کہ "ہم نے تجھے اس طریقہ کا امام بنایا ہے اور اب حقیقت قرب تک پہنچنے کے تمام راستے بند کر کے صرف ایک راستہ کھلا رکھا ہے اور وہ تیری محبت اور پیروی کا راستہ ہے، جو تیرا مخالف ہے اُس پر نہ آسمان آسمان ہے اور نہ زمین زمین۔ مشرق اور مغرب کے سب لوگ تیری رعیت ہیں اور تو ان کا سلطان ہے چاہے جانیں یا نہ جانیں، اگر وہ یہ بات جان لیں تو اُن کے لئے کامیابی ہے ورنہ خیبت وخسران۔

(۲) اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت بغیر کسی فخر کے یہ ہے کہ اُس نے مجھے اس دور کا ناطق وحکیم اور اس طبقہ کا قائد وزعیم بنا دیا ہے وہ میری زبان کے ذریعہ بولتا اور میرے قلب میں القا کرتا ہے، چنانچہ جب میں بولتا ہوں تو جوامع الکلم بولتا ہوں، اسرار وحقائق کھولتا ہوں شریعت ونبوت کے علوم ظاہر کرتا ہوں میں بے شمار عجائب وغرائب پیش کر چکا ہوں ۔۔۔

ایک اور موقعہ پر کہتے ہیں "لما تمت بی دورة الحکمة، البسنی اللہ تعالی خلعة المجددیة، فعلمت علم الجمع بین المختلفات[1]۔ الخ" اس باب میں ان کے اشارات بے شمار ہیں۔ علی الخصوص تفہیمات میں کہ متعدد رسائل و مقالات اسی مقام کی شرح و تحقیق میں لکھے ہیں، اور ان سب کے آخر میں ذوق باطن کے التہاب سے بیخود ہو کر اپنے معاملات کیطرف بھی اشارہ کر جاتے ہیں۔ گویا ابو العلاء معری کا یہ شعر جا بجا نئے نئے پیرایوں میں ان کی زبان ترنم اور کلک تحدیث تک آ آ کر رہجاتا ہے:

وانی، وان کنت الاخیر زمانہ　　　　لآت بما لم تستطعہ الاوائل!

اور پھر چند قدم اور آگے بڑھو۔ مقام عزیمت دعوت کی کیسی آشکارا مثال سامنے آتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کا مقام ہر رنگ میں کس درجہ جامع ہے؟ با ایں ہمہ یہاں جو کچھ ہوا، تجدید و تدوین علوم و معارف تک محدود رہا۔ اس سے آگے نہ بڑھ سکا۔ فعلاً عمل و نفاذ اور ظہور و شیوع کا کام تو کسی دوسرے ہی مرد میدان کا منتظر تھا۔ اور معلوم ہے کہ توفیق الٰہی نے یہ معاملہ صرف علامۂ شہید کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ خود شاہ صاحب کا بھی اسمیں حصہ نہ تھا:

میخواست رستخیز ز عالم بر آورد　　　　ان باغباں کہ تربیت ایں نہال کرد!

اگر خود شاہ صاحب بھی اُس وقت ہوتے تو اُنہی کے جھنڈے کے نیچے نظر آتے۔ حضرت پیر انصاری کا قول یاد رہے "من مرید خرقانی ام لیکن اگر خرقانی دریں وقت می بود، با وجود پیریش مریدی می کردم" شاہ صاحب نے مزاج وقت کی عدم تحمل و استعداد سے مجبور ہو کر بحکم:

(۱) اللہ تعالی نے مجھے مجددیت کی خلعت پہنادی ہے، چنانچہ مجھے جمع بین المختلفات کا علم حاصل ہو گیا ہے الخ

بہ رمز نکتہ ادا می کنم کہ خلوتیاں سر سبو بکشادند و در فرو بستند!

دعوت و اصلاح امت کے جو بھید پرانی دہلی کے کھنڈروں اور کوٹلہ کے حجروں میں دفن کردیئے تھے، اب اس سلطان وقت و اسکندر عزم کی بدولت شاہجہاں آباد کے بازاروں اور جامع مسجد کی سیڑھیوں پر اُن کا ہنگامہ مچ گیا، جن باتوں کے کہنے کی بڑوں بڑوں کو حجروں کے اندر بھی تاب نہ تھی، وہ اب برسر بازار کہی جارہی تھیں، اور خون شہادت کے چھینٹے حرف و حکایات کو نقوش و سواد بنا کر صفحۂ عالم پر ثبت کر رہے تھے:

آخر تو لائیں گے کوئی آفت فغاں سے ہم حجت تمام کرتے ہیں آج آسماں سے ہم

پھر کیا اُس وقت ہندوستان علم و عمل سے خالی ہو گیا تھا؟ یا حق پر چلنے والے اور حق کا درد رکھنے والے معدوم تھے؟ کون ہے جو ایسا کہہ سکتا ہے؟ خود اسی خاندان عالی میں اساتذۂ علم و عمل موجود تھے؟ شاہ عبدالعزیز کے درس و تدریس کی پادشاہت سمرقند و بخارا اور مصر و شام تک پھیلی ہوئی تھی۔ شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین علم و عمل کے آفتاب تھے۔ خاندان سے باہر اگر اُن کے تربیت یافتوں کو دیکھا جائے تو کوئی گوشہ نہ تھا جہاں اُن کا فیضان علم کام نہ کر رہا ہو۔ با ایں ہمہ یہ کیا معاملہ ہے کہ وہ جو وقت کا ایک سب سے بڑا کام تھا، اس کے لئے کسی کے قدم کو جنبش نہ ہوئی۔ سب دوسرے دوسرے کاموں میں رہ گئے۔ یا حجروں کا کام یا مدرسوں کا۔ لیکن میدان والا معاملہ کسی سے بھی بن نہ آیا؟ وہ گویا ایک خاص پہناوا تھا جو صرف ایک ہی جسم کے لئے تھا اور ایک ہی پر چسپت آیا۔ دنیا اس کے لئے خلعت عظمت اور تشریف قبول کاندھے پر ڈالے منتظر کھڑی تھی۔ زمانہ اپنے

سارے سامانوں کے ساتھ کب سے اُس کی راہ تک رہا تھا۔ امیدواروں پر امیدواریکے بعد دیگرے گذرتے رہے مگر اُس کا مستحق کوئی نہ نکلا:

بارِ غم او عرض بہر کس کہ نمودم عاجز شد و ایں قرعہ بنامم زسرافتاد!

تو یہ وہی حقیقت ہے جو کتنی دیر سے تمہارے ذہن نشین کر رہا ہوں۔ یعنی اس وادی کا مردِ کار ہر صاحبِ علم و عمل نہیں ہو سکتا:

مرد ایں رہ را نشانے دیگرست!

اُستادی و شاگردی، نوعمری و کہولت، خانقاہوں کی دھوم دھام، اور مدرسوں کا ہنگامہ، یہ ساری باتیں یہاں کے لئے بیکار ہیں۔ ان سارے عہدوں میں دیکھو۔ باعتبار علم و عمل ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر موجود تھا، اور بقدرِ طاقت دعوت و تذکیر میں ساعی بھی تھا۔ تاہم دعوت دوسری چیز ہے اور عزیمت و عوت کا مقام دوسرا ہے۔ اس کی ہمت کسی میں نہ تھی۔ گڑھیوں کا محاصرہ کر لینا آسان ہے مگر قلعوں اور ملکوں کی تسخیر کی دھن دوسری ہوتی ہے۔ ایک شخص کتنا ہی امیر الامرا ہو، لیکن پھر امیر ہے۔ پادشاہوں کا عزم اور محلِ شاہی میں پلے ہوؤں کا دماغ کہاں سے لا سکتا ہے؟

نہ ہر کہ طرفِ کلہ کج نہاد و تند نشست کلاہ داری و آئینِ سروری داند

بڑوں بڑوں کا عذر یہ ہوتا ہے کہ وقت ساتھ نہیں دیتا اور سر و سامان و اسباب فراہم نہیں۔ لیکن وقت کا عازم و فاتح اٹھتا ہے اور کہتا ہے۔ اگر وقت ساتھ نہیں دیتا تو میں اُسے ساتھ لے لوں گا۔ اگر سر و سامان نہیں تو اپنے ہاتھوں سے طیار کر لوں گا۔ اگر زمین موافق

نہیں تو آسمان کو اترنا چاہئے۔ اگر آدمی نہیں ملتے تو فرشتوں کو ساتھ دینا چاہئے۔ اگر انسانوں کی زبانیں گونگی ہوگئی ہیں تو پتھروں کو چیخنا چاہئے۔ اگر ساتھ چلنے والے نہیں تو کیا مضائقہ؟ درختوں کو دوڑنا چاہئے۔ اگر دشمن بے شمار ہیں تو آسمان کی بجلیوں کی بھی کوئی گنتی نہیں۔ اگر رکاوٹیں اور مشکلیں بہت ہیں تو پہاڑوں اور طوفانوں کو کیا ہوگیا کہ راہ صاف نہیں کرتے؟ وہ زمانہ کا مخلوق نہیں ہوتا کہ زمانہ اُس سے اپنی چاکری کرائے۔ وہ وقت کا خالق اور عہد کا پالنے والا ہوتا ہے، اور زمانہ کے حکموں پر نہیں چلتا، بلکہ زمانہ جھکتا ہے تا اُس کی جنبش لب کا انتظار کرے۔ وہ دنیا پر اس لئے نظر نہیں ڈالتا کہ کیا کیا ہے جس سے دامن بھر لوں؟ وہ یہ دیکھنے کے لئے آتا ہے کہ کیا کیا نہیں ہے جسے پورا کر دوں۔ اُس کا مایۂ خمیر بخشش و نوال ہے۔ طلب و سوال نہیں۔ اُس کی نظریں طاق کی بلندی کی بلندی نہیں ناپتیں ہمیشہ اپنے ہاتھ کی رسائی اور قد کی بلندی دیکھتی رہتی ہیں۔ اُس کا فغاں عجز و نا امیدی یہ نہیں ہوتا:

کمند کوتہ، و بازوئے سست، بام بلند، بہ من حوالہ، و نومیدیم گنہ گیرند!

بلکہ ہمیشہ اس نشید کامرانی و رجزیۂ ملوکی سے غلغلۂ انداز عالم و عالمیاں ہوتا ہے۔

(کما قال القاضی السعید بن سناء الملک رحمة الله علیه)

وانك عبدی یا زمان، واننی | علی الرغم منی أن أری لك سیدا
وما انا راض اننی واطئ الثری | ولی همة لا ترتضی الافق مقعدا
ولو علمت زهر النجوم مكانتی | لخرت جمیعاً نحو وجهی سجدا
أری الخلق دونی اذ أرانی فوقهم | ذكاء و علما و اعتلاء و سوددا

ویأبی اباتی ان یر انی قاعدا ۔۔۔ وانی أری کل البریۃ مقعدا

ولو مد نحوی حادث الدھر کفہ ۔۔۔ لحدثت نفسی ان أمد لہ یدا

ستاروں سے تمام فضا سمائی بھری پڑی ہے لیکن دمدار ستارے ہمیشہ طلوع نہیں ہوتے۔ یہی حال اصحاب عزائم کا ہے۔ وہ کائنات ہستی کا ایک بالکل الگ گوشہ ہے اور وہاں کے احکام و قوانین کو دنیا کے اعمال عادیہ پر قیاس نہیں کرنا چاہئے۔ ان کی تو فیق الٰہی، اُن کے وسائل غیر متوقع، اُن کی ترقیاں لازوال، اور اُن کے تمام طریقے غیر مختتم ہوتے ہیں۔ اللہ کی حکمت و ربوبیت انہیں تمام خلق اللہ میں سے چن لیتی اور بحکم "واللہ یختص برحمتہ من یشاء" اپنی رحمتوں اور ربوبیتوں کے عجائب و خوارق اُن کے لئے مخصوص کر دیتی ہے۔ پھر اُن کے معاملات میں نہ تو کسی دوسرے کا ساجھا ہوتا ہے نہ کسی مدعی کی وہاں تک رسائی۔

اولئک قوم لما دعوا اجیبوا، ولما اجیبوا احبوا، ولما احبوا اخلصوا، ولما اخلصوا استخلصوا، صدقت منھم الضمائر، فصفت منھم السرائر، وصاروا صفوۃ اللہ فی ارضہ، ففاضت علیھم انوارہ، وامتلاءت قلوبھم من اسرارہ:

الا ان وادی الجزع اضحی ترابہ ۔۔۔ من المسک کافورا واعوادہ رندا

وما ذاک الا ان ھندا عشیۃ ۔۔۔ تمشت وجرت فی جوانبہ بردا

فلا تجھد نفسک فی کشف مراتبھم، وذوق حقائقھم، حتی تتصل منھم بسبب، وتمسک من ھدیھم بطرف، فلسان حالھم ینشدک:

وکم سائل عن سر لیلی رددتہ ۔۔۔ بعمیاء من لیلی بغیر یقین

یقولون نخبرنا فانت امینہم ۔ وما انا ان خبرتہم بامین ؛

فصل

مقام "عزیمت دعوت" اور "احیاء و تجدید امت" کی نسبت یہ افکار پریشان بلا قصد زبان قلم پر آ گئے، تو اگرچہ اس کی تفصیل کا یہ موقعہ نہ تھا، لیکن زیادہ تر یہ خیال باعث ہوا کہ شاید ان حالات و وقائع کا مطالعہ اصحاب صلاح و استعداد کے لئے کچھ سودمند علم و عمل ہو، اور بحکم "ان لم تبکو فتباکو" اور

فتشبهوا ان لم تکونوا امثالهم ان التشبه بالکرام کرام(۱)

کسی کے قلب بصیرت و دیدۂ اعتبار کو ان مجددین ملت اور مصلحین حق کے اتباع و تشبہ کی توفیق ملے۔ شاید کوئی مرد کار اور صاحب عزم وقت کی پکار پر لبیک اور زمانہ کی طلب و جستجو کا سراغ بنے۔ آج اگر کام ہے تو بس یہی کام ہے اور ڈھونڈھ ہے تو صرف اسی کی۔ وما ذلك على الله بعزيز:

دادیم ترا ز گنج مقصود نشاں گر ما نرسیدیم تو شاید برسی

یہ حکایتیں اُن عہدوں کی تھیں جو موجودہ زمانہ کے مقابلہ میں گویا عہد اقبال تھا۔ موجودہ وقت اور اُس کی تاریکیاں دیکھو، اور پھر ہر طرف روشنی اور روشنی دکھلانے والوں کی نایابی پر ماتم کرو۔ خدمت گذاروں کی پکار اور ہر طرف مزدوروں کی ڈھونڈھ ہے مگر مزدور کہیں نہیں ملتے۔ آج ایک مٹی کے ٹوکرے اور گری ہوئی دیوار پر ایک اینٹ رکھ دینے کے معاوضے میں

اشرفیوں اور ہیروں کی قیمت مل رہی ہے۔ کیونکہ کام کرنے والے جتنے کم ہونگے، اتنی ہی کام کی مزدوری بھی بڑھ جائے گی۔ خزانۂ سعادت لٹنے کے لئے کھل چکا اور شرف و مراتب کا دروازہ ہر رہرو کے لئے باز ہے۔ کون ہے جو اُس کے خزانے لوٹتا اور اس دولت و کامرانی سے مالامال ہوتا ہے جس کے لئے نہ معلوم اچھے وقتوں میں کیسے کیسے ارباب طلب بیقراریوں کے آنسو بہا چکے ہیں اور آرزوؤں سے بھری ہوئی دعائیں مانگ چکے ہیں ؟

فما لک و الترددحول نجد

وقد غصت تهامة بالرجال

کتب خانہ

پبلک لائبریری

اس نام سے ہم نے ایک دارالاشاعت قائم کیا ہے جس سے مقصود یہ ہے کہ ایسی کتابیں شائع کی جائیں جو عام پبلک کے لئے مفید ہوں۔ سردست ہمارے ہاں سے حسب ذیل کتابیں مل سکتی ہیں۔ محصول ڈاک خریدار کے ذمہ ہوگا:

اُسوۂ حسنہ امام ابن قیم کی فن سیرت پر بہترین اور مستند کتاب "زاد المعاد" کا خلاصہ ہے۔ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی نے اسے اُردو کا جامہ پہنایا ہے۔ قابل دید کتاب ہے ۱۲؍

اصحاب صفہ امام ابن تیمیہ کی تصنیف اور مولانا عبدالرزاق کا ترجمہ ہے۔ قیمت ۱۰؍

ٹرکی اور یورپ یورپ نے ٹرکی اور اسلام پر کیا کیا ظلم کئے اس کی پوری داستان اس کتاب میں موجود ہے۔ از مولانا عبدالرزاق۔ قیمت ۶؍

جہنم کی آبادی از کونٹ ٹالسٹائی۔ مترجمہ مولانا عبدالرزاق۔ قیمت ۸؍

مصطفٰے کمال پاشا غازی مصطفٰے کمال پاشا نے خود اپنی زبان سے اپنی پوری سوانح عمری لکھائی ہے۔ مترجمہ مولوی بدرالدین احمد منیجر "البلاغ" (کلکتہ) قیمت ۶؍

منیجر "پبلک لائبریری" نمبر ۱۱۔ بالی گنج سرکلر روڈ کلکتہ